داراشکوہ

(ناول)



قاضی عبدالستار

داراشکوہ

(ناول)

قاضی عبدالستّار

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

DARA SHIKOH (Novel)

by

Qazi Abdul Sttar

Year of Edition 2008
ISBN 81-8223-329-1
Price Rs. 130/-

نام کتاب	دارا شکوہ
مصنف	قاضی عبدالستار
سنِ اشاعت	۲۰۰۸ء
قیمت	۱۳۰ روپے
مطبع	عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-011-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

انتساب

قراۃ العین حیدر

کے نام

حضرت دہلی نے شاہجہاں آباد کی خلعت زیب تن کی، جامع مسجد کی حمائل سینے سے لگائی۔ قلعۂ معلّٰی کی مرصع عمارتوں کے زیورات ہاتھ گلے میں پہنے اور دارالسلطنت کی مندیل پر تخت طاؤس کا گوہر نگار سر پیچ باندھ کر شہنشاہ ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں صاحبقرانِ ثانی کے حضور میں سات سلام کیے۔

قلعۂ معلّٰی کے سامنے پھیلے ہوئے سبز پوش میدان میں امیروں، وزیروں، نوابوں، مرزاؤں، راجاؤں اور منصب داروں کے ہاتھیوں اور گھوڑوں کے روپہلے سنہرے ساز و یراق کا گنگا جمنی دریا موجیں مار رہا تھا۔ ذاتی رسالوں اور محافظ دستوں کے سوار اور پیادے مخصوص لباسوں اور ہتھیاروں میں شعلۂ جوّالہ بنے اپنے اپنے امیروں کے طوغوں اور علموں کے سائے میں کھڑے تھے۔ نقار خانے میں ماہرین فن نوبت بجا رہے تھے۔ فصیلوں پر توپیں چڑھی تھیں۔ نیچے آہنی دروازے کے دونوں طرف اکیاون اکیاون ہاتھی زربفت کی جھولیں اور سنہریں عماریاں پہنے سلام کو حاضر تھے۔

دربار عام کے صحن میں مشہور عالم ''دل بادل'' شامیانہ آراستہ ہو چکا تھا، جسے سیکڑوں آدمیوں نے ہاتھیوں کی مدد سے کتنے ہی دنوں میں کھڑا کیا تھا۔ طلاباف مخمل کی چھت کے نیچے ٹھوس چاندی کے تین گز اونچے اسّی ستون سونے کے پھولوں کی قبا پہنے اصفہانی قالینوں پر حاضرین دربار کی طرح اپنے اپنے مقام پر نصب تھے۔ قلب میں پانچ ہاتھ اونچا، سوا تین ہاتھ لانبا، ڈھائی ہاتھ چوڑا تخت طاؤس تھا۔ اس کی چھت زمرّد کے بارہ ستونوں پر قائم تھی۔ دو طاؤس جواہرات سے سجے کھڑے تھے۔ ان کی منقاروں میں موتیوں کی مالائیں تھیں اور وہ دونوں اس لہلہاتے ہوئے درخت کو دیکھ رہے تھے۔ جس کی ڈالیں پکھراج کی تھیں۔ پتیاں زمرّد سے تراشی گئی تھیں اور پھل یاقوت کے بنائے گئے تھے۔ جڑاؤ کٹہرے

کے چاروں طرف سونے چاندی کے گرز کندھوں پر رکھے گرز بردار مستعد تھے۔ شہ نشین سے نیچے بچھا ہوا ایک طلائی تخت خالی تھا۔ پھر نقیبوں کی رعب دار آوازیں بلند ہوئیں۔ ساتھ ہی ایک سو ایک توپوں نے کڑک کر روئے زمین کی سب سے وسیع، سب سے دولت مند سلطنت کے سب سے جلیل الشان شہنشاہ کے طلوع کا اعلان کیا۔ خاصے کا محافظ دستہ جو مغل گرز برداروں اور راجپوت تکوریوں پر مشتمل تھا۔ سبز ریشم اور زرد لوہے میں غرق مشین کی طرح پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ شہنشاہ سیاہ جامہ پہنے تھا جس کی آستینوں، شمسوں، دامنوں اور گریبان میں جواہرات ٹنکے تھے۔ چنٹ دار گھیر کے اوپر کمر میں پٹکہ بندھا تھا۔ جس کے جڑاؤ پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ بازوؤں پر جوشن اور گلے میں آرسی تھی۔ پاپوش موتیوں سے سفید تھی۔ سفید نوک دار داڑھی کے نیچے ہار کا ایک پھترا انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ سر پر وہ تاج تھا جو خاندان مغلیہ کے سینتیس تاجوں کے منتخب جواہرات سے ترتیب دیا گیا تھا۔ ظلِ سبحانی آرہے تھے۔ جیسے ایک ایک قدم ایک ایک سلطنت پر پڑ رہا ہو۔ حاضرین نے گھٹنوں تک سر جھکا کر اور ہاتھ ماتھے پر رکھ کر کورنش کی۔ شہنشاہ نے گلال بار میں کھڑے ہو کر حاضرینِ دربار پر نگاہ کی اور ارشاد کیا۔

''فرعون نے ہاتھی دانت کا تخت میسر کیا اور اس پر بیٹھ کر خدائی کا دعویٰ کیا۔ اہلِ دربار شاہد رہیں کہ مابدولت اس بے نظیر تخت پر قدم رکھنے سے پہلے خدا کی بندگی اور اس کے آخری پیغمبر کی غلامی کا اقرار فرماتے ہیں۔''

پھر سجدۂ شکر ادا کیا۔ جلوس فرما ہوئے۔ مہین پور خلافت ولیعہد سلطنت سلطان داراشکوہ نے آگے بڑھ کر نذر پیش کی جو قبول ہوئی اور اعلان ہوا۔

''مابدولت نے شاہ بلند اقبال سلطان داراشکوہ کو وہ اعزاز عطا فرمایا جس سے عرش آشیانی (جہانگیر) نے اس ناچیز کو مشرف فرمایا تھا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ آج سے شاہ بلند اقبال اس تختِ زرنگار پر جلوہ افروز ہوا کریں۔''

داراشکوہ نے شاہ بلند اقبال کے خطاب اور تخت کے اعزاز کے شکر میں سات سلام کئے اور اپنے مقام پر آکر کھڑا ہو گیا۔ ظلِ سبحانی نے وزیر اعظم سعداللہ خاں کو جو سیڑھیوں پر کھڑا تھا اشارہ کیا۔ وزیر اعظم نے داراشکوہ کا ہاتھ پکڑا اور تخت پر بٹھا دیا۔ اور مبارک باد پیش کی۔ ہفت ہزاری منصب داروں کی قطار کے سامنے شاہزادہ محمد شجاع، شاہزادہ اورنگ

زیب اور شاہزادہ مراد کھڑے تھے۔ شجاع اور مراد جب نذریں پیش کر کے الٹے پاؤں واپس ہوئے تو آہستہ سے داراشکوہ کو مبارک باد دی۔ لیکن اورنگ زیب بھاری قدم رکھتا آیا اور اپنے مقام پر کھڑا ہو گیا۔ شاہجہاں نے متفکر نگاہوں سے اورنگ زیب کو دیکھا اور سعداللہ خاں وزیر اعظم کی نذر پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایک پہر دن چڑھ چکا تھا۔ داراشکوہ اپنے دیوان خانۂ خاص میں دربار کرنے والا تھا۔ بیضاوی ایوان کا تمام فرش گجرات کے طلاباف قالینوں سے مزین تھا۔ جنوبی دیوار کے نیچے سونے کا تخت مسند سے آراستہ تھا۔ دونوں بازوؤں پر دور تک چاندی کی چھوٹی چوکیاں بچھی تھیں۔ ان کے آگے گنگا جمنی تپائیاں رکھی تھیں۔ ان کے برابر پیک دان سجے ہوئے تھے۔ دیواروں کے مخملیں دیوار پوشوں پر ویدوں اپنشدوں کے بہترین اقوال خطاطی کے نادر نمونوں کے لباس پہنے چمک رہے تھے۔ سونے چاندی کے فریموں میں مشرق و مغرب کے مصوروں کے شاہکار آویزاں تھے۔ زرنگار چھت پر مرصع فانوس جگمگا رہے تھے۔ طاقوں میں موتیوں کی چلمنوں کے پیچھے طلائی انگیٹھیوں میں خوشبو سلگ رہی تھی۔ گوشوں میں چاندی کی قد آدم مورتیں اطلس کے لباس پہنے سروں پر گلدان اٹھائے کھڑی تھیں۔ جن کے تازہ سرخ گلاب مہک رہے تھے۔ دارا کے تخت پر شنکر کی تصویر سایہ کئے ہوئے تھی۔ ایوان کے دروازوں پر راجپوت خاص بردار زرد بانات کے جاموں پر سنہرے پٹکے باندھے شاہجہانی مندیلوں پر زرّیں جیغے لگائے گیسوؤں تک مونچھیں چڑھائے، جلادت و شجاعت کے مجسمے بنے ہتھیاروں میں جکڑے کھڑے تھے۔ خواجہ سرا مقبول نے دارا کے برآمد ہونے کی اطلاع دی۔ میر منشی چندر بھان اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ غلام کاغذات کے اطلسیں بستے اور سنہریں قلمدان اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر اپنشدوں کے وِدوان راج اچاریہ کبت رائے، ویدوں کے عالم پنڈت نرنجن داس اور مہا کوی کویندر آچاریہ سرسوتی مہارشی بابا دملبت داس وغیرہ اپنی اپنی مقررہ جگہوں پر آکر بیٹھ گئے۔ پھر نقیب کی آواز بلند ہوئی۔ کاشانی مخمل کے پردے زریں کمر غلاموں کے ہاتھوں میں سمٹ گئے۔ دارا ایوان میں داخل ہوا۔ اس کا قد اونچا اور جسم سڈول تھا۔ موتیوں کے سرپیچ سے بوجھل سیاہ مندیل کے نیچے اونچی فراخ پیشانی چمک رہی تھی۔ سروہی کی طرح کھنچے ہوئے سیاہ ابروؤں کے سائے میں سوچتی ہوئی لانبی سیاہ آنکھوں سے فضل اور فکر کا نور ٹپک رہا تھا۔ سیاہ شاہجہانی داڑھی نے اس کی جمیل

شخصیت کو جلیل بنادیا تھا۔ وہ اکبری سلطنت کا سفید کھڑکی دار جامہ پہنے تھا۔ فراخ سینے پر پڑی ہوئی الماس کی آرسی میں "شیو" کی تصویر کھدی تھی۔ داہنے ہاتھ کی پہلی لمبی نازک انگلی کی اشرفی کے برابر انگوٹھی میں سنسکرت رسم الخط میں "پربھو" کا لفظ کندہ تھا۔ بازوؤں کے جوشن کمر کا پٹکہ راجپوتی طرز آرائش کا نمونہ تھے۔ اگر اس کے چہرے سے داڑھی تراش لی جاتی تو وہ ہو بہو اکبر اعظم کی تصویر بن جاتا۔ تخت کے پیچھے خواجہ سرا بسنت ہزاری پوشاک پہنے چنور ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔ پھر غلاموں کی ایک قطار اندر آئی۔ حاضرین کے عطر ملا گیا۔ سونے کے ورق میں لپٹی ہوئی پان کی گلوریاں عطا ہوئیں۔ حقے بخشے گئے۔ دارا نے ایک غلام کے ہاتھ سے اپنی سٹک کی مہنال قبول کی۔ ایک کش لیا۔ اور مہاکوی کو دیکھا۔ مہاکوی چوکی سے اترا۔ اشارہ پا کر تخت کے سامنے آیا۔ تین سلام کئے اور دوزانو بیٹھ گیا۔

"تم کب آئے سرسوتی؟"

سرسوتی نے میر منشی چندر بھان کو دیکھا۔ چندر بھان نے ہاتھ جوڑ کر نویدن کیا۔

"کوی راج کو مجرے کی اجازت غلام نے دی ہے صاحبِ عالم۔"

"تم اگر اجازت نہ دیتے تو معتوب ہوتے۔"

"کوی راج نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور عرض کیا۔

"شاہجہاں آباد تو کل آ گیا تھا۔ لیکن پریاگ سے جو سامان لایا تھا وہ سنبھالے نہ سنبھلتا تھا۔ اس لئے صاحبِ عالم کے چرن چھونے حاضر نہ ہو سکا۔"

"کیسا سامان...... کس کا سامان؟" دارا نے ابرو سمیٹ کر پوچھا۔

کوی راج نے دونوں ہاتھ زانوؤں پر رکھ لئے۔ اس کے پٹکے میں لگا ہوا جڑاؤ خنجر چمک اٹھا۔ چندن سے سفید پیشانی کھل اٹھی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور مغموم آواز میں بولا۔

"صاحب عالم کی ہندو پرجا کے سیکڑوں من آنسو، ہزاروں من آہیں اور لاکھوں من بپتا میں اکیلے لاد کر لایا ہوں ..... چور چور ہو گیا ہوں۔"

"ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔"

"جب سورج کے سامنے دیا جلتا ہے تو اندھیرا جاتا ہے..... مغل سمراٹ کا مہاکوی اپنے آپ کو صاحبِ عالم کی سرکار میں گونگا پاتا ہے۔ من میں لہریں لیتے جوالا ساگر کو ان

پوتر چرنوں میں انڈیل دینے کا ساہس (ہمت) نہیں ہوتا۔"

"سرسوتی! بھول جاؤ کہ تم آلِ تیمور کے جلیل الشان ولی عہد کے حضور میں ہو ...... یاد رکھو کہ تم اس دارا کے سامنے ہو جو علم کا عاشق اور عالموں کا خادم ہے...... بے جھجک بیان کرو۔"

اور کویندر اچاریہ کی آواز سے سارا ایوان گونجنے لگا۔

"بھارت کے کونے کونے سے لاکھوں یاتری بیوی بچوں کے بوجھ کو تیاگ کر پید یاترا کرتے کالے کوسوں کے دکھ بھوگتے پریاگ آتے ہیں لیکن گنگا میا کے پوتر پانی سے کوسوں دور پڑے سوکھتے رہتے ہیں۔ یہ ساہس نہیں ہوتا کہ اشنان کر کے اپنے کئے کا لکھا دھو سکیں۔"

"کیوں؟"

دارا کے غضب کی پرچھائیں ہر چہرے پر لرز گئی۔

سرکاری محصول کی در آسمان سے باتیں کرتی ہے صاحبِ عالم!...... حکم ہے کہ ہر یاتری اشنان سے پہلے کھری چاندی کا ایک روپیہ خزانے میں داخل کرے...... یوراج...... اگر ان کرم کے ماروں کے پاس چاندی کا ایک روپیہ ہوتا تو پاپ ہی کیوں کرتے...... جب پاپ نہ کرتے تو پُن کی اِچھا دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر کیوں مجبور کرتی ...... اس سال یہ غلام بھی اشنان کرنے پریاگ گیا تھا۔ جب یاتریوں کو معلوم ہوا کہ میری پہنچ یوراج کے سنگھاسن تک ہے تو ان لاکھوں دکھیوں نے مجھے گھیر لیا۔ آنسوؤں کی گنگا جمنا سے دھوئی ہوئی پرارتھنا میری گودی میں ڈال دی کہ میں ان کا دکھ اس مہابلی کے کانوں تک پہنچا دوں جس کے ماتھے کا ایک بل بھارت کا اتہاس بدل سکتا ہے۔"

دارا کا سر جھک گیا اس کی مٹھیاں بندھ گئی تھیں۔ ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ کوی راج نے گرم لوہے پر ایک اور چوٹ کی۔

"صاحبِ عالم...... میں اپنے ساتھ ان دکھیاروں کے دکھ نہ لا سکا جو چاندی کے اس روپے کے خوف میں اپنے اپنے جھونپڑوں میں اندھیارے پاپوں کی بھینکر چادر اوڑھے روتے رہتے ہیں، لوبھی لوبھ درگ کی گندھ میں سڑتے رہتے ہیں۔"

"مہاکوی۔"

"صاحبِ عالم۔"

"ہماری رعایا تک ہمارا پیغام پہنچادو کہ محصول معاف کرایا جائے گا۔ جس قیمت پر ممکن ہوگا اس قیمت پر معاف کرایا جائے گا۔"

وہ دیر تک اسی طرح خاموش بیٹھے رہے۔

خنک رات کی زلف کمر تک پہنچنے لگی تھی۔ "نہرِ بہشت" کے کنارے پر کھڑے ہوئے مرصّع جھاڑوں کے ان گنت طلائی پیالوں میں خوشبودار تیل جل رہا تھا۔ ٹھنڈی سفید روشنی میں دولت خانۂ خاص کا مخملی صحن آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ دربارِ خاص کی سیڑھیوں کے سامنے خواجہ سرا ننگی تلواریں کندھوں پر رکھے پہرہ دے رہے تھے۔ ظلِ سبحانی سفید جامے دار کا سادہ جغہ پہنے ہلکا پٹکا باندھے، موتیوں سے سفید پاپوش پہنے ٹہل رہے تھے۔ سایہ ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ ان کے داہنے ہاتھ میں یکساں قامت و قیمت کے موتیوں کی تسبیح تھی جو گھٹنوں تک دراز تھی۔ پہلو کے برج میں کوئی کنیز طاؤس بجا رہی تھی جس کی مدھم آواز نے رات کی غنودگی کو نشہ پلا دیا تھا۔ پھر دولت خانۂ شاہی کی سیڑھیوں پر ہتھیار کھنک اٹھے۔ گرز برداروں کی صف سے داراشکوہ بابا گزر رہا تھا۔ شہنشاہ نے قبلہ رو ہوکر فاتحہ پڑھا اور تسبیح گردن میں ڈال لی۔ دولت خانے کی محراب سے ازبک غلام ریشم و جواہرات میں جگمگاتے باہر نکلے اور سرو قد کھڑے ہوگئے۔

"تخلیہ۔"

وہ الٹے پیروں واپس ہوئے۔ برج کی موسیقی ختم ہوگئی۔ دور دور تک کے گوشے خدام سے خالی ہوگئے۔ ظلِ سبحانی ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔ دارا کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

"داراشکوہ بابا! ہم نے تمہیں وقتِ خاص میں باریاب کیا کہ رموزِ سلطنت سے آشنا فرمائیں...... آج دربارِ خاص میں تم نے جس حدّت اور شدّت کے ساتھ یاتریوں کے محصول کے خلاف تقریر کی وہ...."

"اگر نادانستگی میں کوئی لفظ اعلیٰ حضرت کی شانِ موجودگی کے خلاف نکل گیا ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

اعلیٰ حضرت نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا اور اسی طرح ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولے۔ جیسے کوئی شفیق باپ اپنے شریر بیٹے کو سمجھا رہا ہو۔

"نہیں تم نے جو کچھ کہا وہ درست تھا۔ لیکن جس جگہ اور جس طرح کہا وہ شانِ دارائی اور آئینِ سیاست کے خلاف تھا۔ تم کو تختِ طاؤس پر جلوس کرنا ہے اور اس عظیم الشان سلطنت کا فرمانروا ہونا ہے۔ تمہاری ایک جنبشِ لب ہزاروں لاکھوں جلیل القدر انسانوں کی تقدیر بنا سکتی ہے اور مٹا سکتی ہے...... اس لئے داراشکوہ بابا کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ چند آنسوؤں کی گرمی سے پگھل جائے۔"

دارا نے احتیاط سے گردن اٹھائی کہ کہیں اس کا جیغۂ زرّیں چہرۂ مبارک سے نہ لگ جائے، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور مضبوط آواز میں بولا۔

عدلِ جہانگیری اور فضلِ شاہجہانی نے غلام کو تعلیم دی ہے کہ ہم کو اپنی رعایا کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہئے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہندوؤں کو اس طرح نوازنا چاہئے کہ وہ یہ بھول جائیں کہ ان کا شہنشاہ مغل ہے، مسلمان ہے...... صدیوں کی محرومی نے انھیں اپنی تاریخ، تہذیب اور علوم سے بیگانہ کر دیا ہے...... ان کا اعتماد اور استقلال تقریباً مر چکا ہے...... ہماری کوشش ہے کہ ان کو عہدِ شاہجہانی کی برکتوں میں برابر کا شریک بنائیں۔ شریکِ غالب بنائیں۔ جو مر رہے ہیں انھیں صحت دیں۔ جو مر چکے ہیں انھیں زندہ کریں۔

شہنشاہ نے اس کے بازو چھوڑ دیئے اور آہستہ آہستہ گردن ہلاتے ہوئے دالان میں گئے۔ مطلّی محرابوں میں پردے بندھے ہوئے تھے۔ فانوسوں نے سورج کی روشنی چرالی تھی۔ ظلِ سبحانی فیروزے کی چوکی پر مسند لگا کر بیٹھ گئے ہاتھ سے اشارہ کر کے دارا کو سنہری کرسی پر بٹھا دیا اور مسند کی پشت کو دیکھا۔ دارا نے لپک کر پیچوان کی نے پیش کر دی۔ ظلِ سبحانی نے ایک کش لیا اور آہستہ سے بولے۔

"بیٹے......... جس طرح ہندوستان کی سلطنت روئے زمین کی سب سے بڑی اور دولت مند سلطنت ہے اسی طرح اس کے مسائل دوسری حکومتوں سے بڑے اور لاتعداد ہیں...... جنت مکانی (اکبرِ اعظم) نے پچاس برس تک بڑی دھوم دھام سے سلطنت کی لیکن انھیں کے عہدِ مبارک میں کابل سے بخارا تک ایسی سختیاں کی گئیں کہ وہ علاقہ جو مغل لشکر کو تازے خون کی طرح سپاہی مہیا کرتا تھا باغی ہوگیا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہم اپنی تلوار سے انھیں قابو میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے لشکروں میں وہ اب بھی بھرتی ہوتے ہیں لیکن بہت کم تعداد میں اور پیٹ سے مجبور ہوکر۔ نہ صرف یہ بلکہ کبھی کبھی ہم کو زک دینے

کے لئے ہمارے حلقہ بگوش ہو جاتے ہیں۔ طاقتور دشمن کو دشمنی سے نہیں دوستی سے شکست دی جاسکتی ہے۔ یہ ان کو بھی معلوم ہو گیا ہے اس لئے ہم ان پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ساری قلمرو کا انتظام ان فوجوں کے کاندھے پر ہے جو اس گرم ملک کے آرام طلب باشندے ہیں...... اور دربار کا رنگ یہ ہے کہ وہ دیسی اور ولایتی امیروں میں تقسیم ہے۔ ولایتی امیر ایرانی اور تورانی کے جھگڑوں میں پڑ کر تخت و تاج کے بجائے اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں۔ دیسی امیر مذہبی منافرت کے علاوہ جھوٹے تعلقات کی بیڑیوں میں جکڑے پڑے ہیں۔ راجپوتوں کا یہ عالم ہے کہ سسودیہ کچھواہہ کو نہیں برداشت کر سکتا اور سورج بنشی چندر بنشی کو خوش نہیں دیکھ سکتا۔ یعنی مغل سلطنت ایک مریض ہے اور شہنشاہ ایک طبیب اب یہ بات طبیب کی فراست پر منحصر ہے کہ مریض کتنے دنوں زندہ رہ سکتا ہے...... تم جس وقت اپنا مقدمہ پیش کر رہے تھے اس وقت ہفت ہزاری اور شش ہزاری منصب داروں کے ابرد سرگوشیاں کر رہے تھے۔ پیشانیاں مشورے کر رہی تھیں اور نگاہیں سازشیں بن رہی تھیں......

تم اپنی وسیع النظری، آزاد خیالی اور ہندوؤں کی سرپرستی کی بنا پر مسلمان امیروں میں نامقبول ہو رہے ہو۔ مابدولت تمہارے نقطۂ نظر کی داد دیتے ہیں لیکن یہ ہماری سیاست تھی کہ مقدمے کی سماعت کے بعد بھی خاموش رہے۔ حکم نہیں فرمایا تاکہ دربار کو معلوم رہے کہ اس فیصلے کی طرف تم نے صرف اشارہ کیا ہے۔ فیصلہ مابدولت کا ہے تاہم یہ فرمانا بھی مناسب خیال کرتے ہیں کہ اگر داراشکوہ بابا سیاست سے کام لیتے تو محصول بھی معاف ہو جاتا اور ان کا دامن بھی محفوظ رہتا۔ یعنی تم ہمارے پاس آتے، ہم سے اپنی خواہش بیان کرتے اور ہم اپنے طور پر محصول معاف کر دیتے۔"

"اعلیٰ حضرت۔"

جانِ پدر! یہ محصول مغل قلمرو کے بے محابا خزانے کی ایک معمولی سی شق ہے۔ اس کی حیثیت اقتصادی نہیں سیاسی ہے۔ مابدولت نہیں چاہتے کہ مذہب کے نام پر لاکھوں کروڑوں انسان کسی ایک مقام پر جمع ہو جائیں اور ضبط و نظم خطرے میں پڑ جائے اور اس طرح یاتری حکومت کے عتاب کا نشانہ بنیں یعنی طبیب کی نگاہ میں یہ ایک کڑوی دوا ہے جو مریض کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ مریض کے منہ کا خراب مزہ اسے پسند نہیں کرتا اور ہٹا دیئے جانے کی گزارش کرتا ہے...... ہم اپنی رعایا سے جو محصول لیتے ہیں وہ

سارے عالم میں رائج لگان کی شرح سے کہیں کم ہے۔ ہم اپنی رعایا پر جو بخششیں فرماتے ہیں وہ سارے عالم میں بے مثال ہیں...... تاہم مابدولت کو تمہاری دلآسائی عزیز ہے۔"

"محصول معاف کیا گیا۔"

دارا شکر گزاری کے آداب کے لئے کھڑا ہو گیا۔ تسلیمات کے بعد گزارش کی۔

"ظلِ سبحانی کے الطاف نے اس غلام کو جو اعتبار و افتخار بخشا ہے زبان اس کے بیان سے قاصر ہے۔"

دارا ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ شہنشاہ نے تالی بجائی۔ گرز برداروں کی ایک صف سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ دارا نے سلام کیا اور الٹے قدموں باہر نکلا۔ گرز بردار دو قطاروں میں تقسیم ہو کر اس کے دائیں بائیں چلنے لگے۔



نماز ظہر کے بعد دربارِ خاص میں جہاں بڑے بڑے جلیل الشان امراء باریاب ہونے کو طرۂ امتیاز جانتے تھے۔ جملۃ الملک وزیر اعظم سعد اللہ خاں پیش ہوا۔ ظلِ سبحانی یشعب کے تخت پر تشریف فرما تھے جلی آئینوں کے مانند جگمگاتے ہوئے مرمریں مرصع طاقوں پر موتیوں کے پردے پڑے تھے۔ طاقوں میں رکھی ہوئی جڑاؤ انگیٹھیوں میں عود اور عنبر سلگ رہا تھا۔ طلاکار چھت کے جواہر نگار فانوس منقش کی چلمنوں سے چھن چھن کر آتی ہوئی روشنی میں دمک رہے تھے۔ مقربین بارگاہ کا ہجوم مؤدب کھڑا تھا۔ وزیر اعظم کورنش کے لئے جھکا تو سفید داڑھی طلا باف قالینوں کے فرش کو چھونے لگی۔ شہنشاہ نے ابرو کی جنبش سے سعد اللہ خاں کو گزارش کی اجازت دی لیکن بوڑھا وزیر اعظم تسلیم کر کے خاموش کھڑا ہو گیا۔ شہنشاہ نے اس خاموشی کے معنی سمجھ لئے اور "شاہ برج" میں جلوس کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سونے چاندی کے گرزوں، تلواروں اور نیزوں کی دو رویہ صفوں سے گزرتے ہوئے ظلِ سبحانی شاہ برج میں داخل ہو گئے۔ خواجہ سراؤں، چیلوں اور خادموں کی مستعد جماعت باہر چلی آئی۔ اس حجلۂ خاص میں شاہزادے تک بغیر مخصوص اجازت کے داخل ہونے کی جسارت نہ کر سکتے تھے۔ آئینہ بند اور منبت کار دیواریں شہنشاہ اور وزیر اعظم کے لباسوں

سے جگمگا اٹھیں۔ ظلِ سبحانی تخت پر دوزانو بیٹھ گئے۔ اور جملتہ الملک پر نگاہ کی۔ سعد اللہ خاں نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔

مہابت خاں (صوبہ دار کابل) کا پرچہ لگا ہے کہ شاہ ایران نے معاہدہ توڑ دیا۔۔۔۔ سترہ ہزار افواج قاہرہ سے قندھار میں گھس آیا ہے۔۔۔۔۔اور

وزیرِ اعظم خاموش ہو گیا۔ شہنشاہ کی پیشانی پر شکن پڑ چکی تھی، تیکھی آواز میں جملہ پورا کر دیا گیا۔

''مہم ناکام ہوئی۔''

''اس بارۂ خاص میں عالم پناہ کا جو ارشاد ہو اس کی تعمیل کی جائے۔''

شہنشاہ نے جواب میں توقف کیا۔ مغربی محراب کے پردے بندھے ہوئے تھے اور جمنا کے اس کنارے شاہجہانی علم کے مغرور سائے میں سوار پہرے پر کھڑے تھے۔ شہنشاہ انھیں دیکھ رہے تھے۔ پھر حکم ہوا۔

''لشکر آراستہ ہو۔''

نامزدگی کے لئے سپہ سالاروں کے نام بعد نماز مغرب پیش کئے جائیں۔



وزیرِ اعظم کے شاہ برج سے نکلتے ہی قلعۂ معلّٰی کے اہم حصوں میں یہ خبر ایک زخمی پرندے کی طرح منڈلانے لگی۔ پیشانیاں شکنوں سے بھر گئیں۔ آنکھوں کے گوشے سمٹ گئے۔ سوچتی ہوئی نگاہیں پردۂ غیب سے نمودار ہونے والی صورتوں کا انتظار کرنے لگیں۔ اکبری دربار میں ماہم اور ادھم خاں نے جس اندرونی سازش کو باریاب کیا تھا اسے نور جہاں اور شہر یار نے منصب دیئے تھے اور مرتبے بلند کئے تھے۔ عہد شاہجہانی میں وہی سازش اورنگ زیب اور روشن آرا کا اعتبار حاصل کر چکی تھی۔ اور مغل سلطنت کا مقدر لکھنے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ نوبت خانے سے آرام گاہ شاہی تک پھیلی ہوئی تمام دیواریں اس سازش میں شریک تھیں اور کان لگائے کھڑی رہتی تھیں۔ محرابیں سرگوشیاں کرتی تھیں۔ ستون چغلی کھاتے تھے اور در بیچے اپنی آنکھیں پھاڑے صورتوں پر لکھی ہوئی عبارتیں پڑھا کرتے تھے۔

روشن آرا کے محل کی ڈیوڑھی پر روشن چوکیوں اور طلائی جھاڑوں کی روپہلی روشنی پہرہ دے رہی تھی۔ نیزے کی طرح بلند سنگ مرمر کی سلوں سے تراشی ہوئی بھاری جسموں، شربتی آنکھوں اور سنہرے بالوں والی ازبک عورتیں ریشمی مردانی سرخ قباؤں پر چاندی کے کمر بند اور سروں پر سرخ شاہجہانی پگڑیاں باندھے، کمریں تلواریں اور خنجر لگائے، گداز مضبوط ہاتھوں میں نیزے لئے مردوں کی طرح بے جھجک پہرہ دے رہی تھیں۔ اندر صحن کی طرف سیاہ فام حبشی کنیزیں سفید لباس پہنے حکم کی تعمیل میں اُڑ رہی تھیں اور اردابیگنیوں، قلماقنیوں اور مغلانیوں میں چہک رہی تھیں۔ خواجہ سرا بھاری پشوازیں پہنے، سر سے پاؤں تک زیوروں میں گندھے مغرور حسیناؤں کے مانند ٹھمک ٹھمک کر چل رہے تھے۔ صحن کے درمیان سے تیر کی طرح سیدھی گزرتی ہوئی سنگ مرمر کی نہر ایوان کو سلام کرتی ہوئی پیچھے چلی گئی تھی جو دولت خانہ کہلاتا تھا اور جو لمبے چوڑے اونچے چبوترے پر اس طرح نظر آرہا تھا جیسے سنگ سرخ کے ہاتھی پر سفید ہودج بندھی ہو۔ ایوان کے اندر باہر حلبی شیشوں کے سنہرے فانوس منور تھے۔ طلائی شمع دانوں میں لاتعداد کافوری شمعیں روشن تھیں جن کی اجلی ٹھنڈی روشنی استر کار مجلّی عمارت کو ''روشن محل'' بنائے ہوئے تھی۔ دولت خانے کی اندرونی دیواریں طلا باف دیوار پوشوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ سونے کے پانی سے منقش چھت رنگا رنگ کے شیشوں سے دھنک بنی ہوئی تھی۔ وسط ایوان میں سونے کے منقش تخت پر چھریرے جسم اور اوسط قد کی روشن آرا مسند سے لگی بیٹھی تھی۔ اونچی ناک اور کٹار کی طرح کھنچے ہوئے ابرو اس بات کی ضمانت تھے کہ وہ مغل شہزادی ہے۔ اس کی مغرور آنکھوں اور مضبوط ٹھڈی سے جلال ٹپک رہا تھا۔ دونوں سفید ہاتھ انگوٹھیوں اور انگشتانوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ جواہر نگار جھومر تاج کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ قدموں میں بیٹھے ہوئے خواجہ سرا کو سوچتی نظروں سے گھور رہی تھی۔ بارگاہ کے باہر خواصیں کھڑی تھیں۔ پھر ڈیوڑھی پر شور ہوا۔ خواجہ سرا فہیم کھڑا ہو گیا۔ ایک خواص نے اطلاع دی۔

''برادر دولت پناہ۔۔۔۔۔شاہزادہ سوم تشریف لاتے ہیں۔''

شاہزادی کھڑی ہو گئی۔ خواصیں چوکیوں اور کرسیوں اور تپائیوں کے تکیے اور پوششیں درست کرنے لگیں۔ خواجہ سرا فہیم ایوان کے دوسرے راستہ سے باہر نکل گیا۔ شاہزادی پیشوائی کو دالان سے نکلی ہی تھی کہ اورنگ زیب آگیا۔ سیاہ تیز آنکھیں، سیاہ کھنچے

ہوئے ابرو، مہین لانبے نتھنوں پر کھڑی اونچی ناک، سیاہ گھنی داڑھی، ٹھکا ہوا مضبوط کسرتی جسم اور نکلتا ہوا قد۔ ہر قدم سے احتیاط ٹپکتی ہوئی۔ شاہجہانی پگڑی پر عقاب زرّیں کا پر لگا ہوا۔ سفید سوتی جامے پر شرعی پائجامہ اور چمڑے کی زرد پاپوش پہنے متانت و وقار کا مجسمہ بنا آہستہ آہستہ آرہا تھا۔ شہزادگی کے التزامات میں صافے کے علاوہ صرف زمرد کے دستے کا ایک خنجر تھا جو سیاہ مخملیں پٹکے میں لگا ہوا تھا۔ شاہزادی سے نگاہ ملتے ہی اورنگ زیب تسلیم کو جھکا۔ روشن آرا نے بڑھ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا اور اپنے ساتھ ایوان میں لائی تخت پر بٹھایا۔ اپنے ہاتھ سے مسند لگائی اور خود اس کے پاس ہی چاندی کی تپائی پر بیٹھ گئی۔ ایک مغلانی طلائی کشتی میں عطردان لے کر حاضر ہوئی۔ روشن آرا نے اپنے ہاتھ سے عطر لگایا اور خود ہی دعا دی۔

''پروردگار اورنگ زیب کے اقبال کی خوشبو سارے جہان میں پھیلا دے۔''

خواصوں نے آمین کہی۔ دوسری مغلانی چمکتے کپڑے اور کھنکتے زیور پہنے پان کی کشتی اٹھائے سامنے آئی شہزادی نے اپنے ہاتھ سے گلوری عنایت کی۔ اورنگ زیب نے تخت سے اٹھ کر سلام کیا اور گلوری منھ میں دبا لی۔ روشن آرا نے اشارہ کیا۔ تخلیہ ہو گیا۔ اورنگ زیب نے گردن آگے بڑھا کر آہستہ سے کہا۔

''آپ نے بے وقت یاد فرمایا۔''

''ہاں...... شاہ برج میں وزیراعظم بھی بے وقت باریاب کئے گئے۔''

''آج۔''

''آج...... اور اطلاع ملی ہے کہ قندھار کی دوسری مہم بھی ناکام ہوئی۔''

''اناللہ وانا الیہ راجعون۔''

''اورنگ زیب نے اس طرح کہا گویا یہ خبر اس نے ابھی سنی ہے۔ حالانکہ سعد اللہ خاں ابھی شاہ برج سے نکلے بھی نہ تھے کہ وہ مطلع کر دیا گیا تھا۔

''اور لشکر آراستہ ہو رہا ہے...... داراشکوہ کو سپہ سالار بنایا جا رہا ہے۔''

''تو پھر مغل اقبال کا خدا حافظ ہے۔''

''ہاں...... جس سلطنت کا ولی عہد تفنگ سے شیر کا شکار کرنے کی خوشی میں جشن برپا کرتا ہو اس سلطنت کا واقعی خدا حافظ ہے۔ بادشاہ بیگم (جہاں آرا) نے فرمایا آپ نے

ولی عہد کو مبارکباد نہیں دی۔ ہم نے جواب دیا دکن سے واپسی میں برہان پور سے دولت آباد تک دولت پناہ (اورنگ زیب) نے پانچ شیر کھڑی سواری تلوار سے شکار کئے اور ہفتوں ذکر نہ کیا۔ ان کے بڑے بھائی کو بندوق سے ایک شیر مار لینے پر کیا مبارکباد دیں۔ یہ سنتے ہی چہرہ بالکل آبِ رواں کی طرح سفید ہو گیا۔

جب اورنگ زیب چلنے کے لئے کھڑا ہوا اور کورنش کے لئے جھکا تو روشن آرا نے بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر سیدھا کر دیا اور مضبوط لہجے میں بولی۔

''اورنگ زیب...... جو قندھار ''بے شکوہ'' (داراشکوہ) کی روباہی چالوں کی وجہ سے تمہارے ہاتھ پر فتح نہ ہو سکا وہ قندھار اگر دارا کی تلوار نے زیر و زبر کر دیا تو یاد رکھو...... کہ تخت طاؤس تمہارے قدموں سے اور دور ہو جائے گا۔''

اورنگ زیب نے تائید میں گردن ہلائی اور رخصت کے مراسم ادا کر کے ایوان سے باہر نکل گیا۔



صبح کی توپ کب کی دغ چکی تھی۔ شہنشاہ جھروکے میں درشن کے لئے بیٹھ چکے تھے۔ نیچے جمنا کی ٹھنڈی ریتی پر ہزار ہا ہندو مرد عورتیں اور بچے مہابلی کا درشن کر رہے تھے۔ داراشکوہ اپنے ایوان میں تھا۔ جس کے ستون چاندی کے کپڑے اور سونے کے زیور پہنے تھے۔ زرّیں پایوں کے چھپر کھٹ پر مرصع مسہری لگی تھی۔ حباب آسا ریشمی پردے پڑے تھے۔ سرہانے ادھ جلی شمعوں کے قدِ آدم شمعدان کے سائے میں سنہری روپہلی تپائیوں پر ویدوں، اپنشدوں اور تصوف پر عربی و عجمی کتابوں کے آبِ زر سے لکھے ہوئے نسخے چنے ہوئے تھے۔ ان کی سنہری جلدوں سے یاقوت و شعب کی ''نشانیاں'' جھانک رہی تھیں۔ صبح کے ستارے سے روشن کنیز جلدِ بدن کی طرح چست قبا پہنے تھی جس کے چنٹ دار دامن تنگ پائجامے کی پنڈلیوں پر لرز رہے تھے اور وہ اپنے قد سے اونچا طاؤس بجا رہی تھی۔ جب راگ کے سُر بلند ہوئے تو دارا نے آنکھیں کھول دیں۔ کنیز نے طاؤس کو سنگِ زر کی چوکی پر لٹا دیا۔ مجرا ادا کیا اور الٹے پیروں باہر چلی گئی۔ خواصوں کا ایک پرا داخل ہوا۔ مختلف رنگوں

کے ریشمیں کامدار لہنگے اور چولیاں اور جالدار اوڑھنیاں صبح کی گلابی روشنی میں جگمگانے لگیں۔فرشی قالین پر باانداز بچھایا گیا۔وہ طلائی سیلابچی، آفتابہ، منجن دان اور بیسن دان لے کر کھڑی ہوگئیں۔وہ اسی طرح کروٹ لئے لیٹا رہا۔جہانگیری طرز کے پٹے بکھرے ہوئے تھے۔اکبری گیسو بگڑ گئے تھے۔اونچی کشادہ پیشانی آئینے کی طرح بے شکن تھی۔ کانوں میں بڑے بڑے موتی جگمگا رہے تھے۔سیاہ آنکھوں میں گلابی ڈوروں کا جال بچھا ہوا تھا۔وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔خواصوں نے پردے الٹ دیئے۔کسی نے پیروں میں پاپوش پہنا دی جس میں موتیوں کے گچھے ٹنکے ہوئے تھے۔وہ تمام صورتوں سے بے نیاز ایوان سے نکل گیا۔

داراشکوہ غسل خانے میں کھڑا تھا۔ایک کنیز کمر میں جڑاؤ کمربند اور دوسری بازوؤں میں جوشن باندھ رہی تھی کہ سلطان بیگم کی آمد کا شور ہوا۔سلطان بیگم ہوبہو اپنے مرحوم باپ سلطان پرویز پر پڑی تھیں۔وہی نازک جسم، سبک نقشہ، اور سنہری رنگت۔ہلکے آسمانی رنگ کی پشواز اور بڑے بڑے موتیوں کے زیور پہنے چھوٹے چھوٹے قدم رکھتی اندر آئیں۔ کورنش بجا لائیں۔دارا اسی طرح کھڑا مسکراتا رہا۔ایک خواص نے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر وہ مندیل پیش کی جس میں نیلم کے ہشت پہل دانوں کا سرپیچ چمک رہا تھا اور جیغہ زریں شعلہ بنا ہوا تھا۔جب تخلیہ ہوگیا تو سلطان بیگم اپنے جسم سے بھی زیادہ نازک آواز میں بولیں۔

"چہل ہزاری منصب مبارک ہو۔"

"آپ کو بھی مبارک ہو بیگم۔"

دارا نے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر مندیل کا زاویہ درست کیا۔

"آپ خاموش کیوں ہوگئیں؟"

"ہم بھی سفر کی تیاری کرتے ہیں۔"

دارا نے اپنے گلے سے ایک ہار اتار کر بیگم کی گردن میں پہنا دیا۔گوشت سے بھرے ہوئے سرخ و سفید ہاتھوں کے پیالے میں بیگم کا چہرہ بھر کر اوپر اٹھایا اور دل گرفتہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"قندھار کا سفر آگرے کا سفر نہیں ہے......یہ پھول سا جسم چند روز میں سوکھ کر کانٹا ہو جائے گا۔"

"مگر آپ کے بغیر شاہ جہاں آباد قندھار کے سفر سے بھی زیادہ عذاب ہو جائے گا۔"

دارا نے تردد سے بیگم کو دیکھا اور وہ آرسی پہن لی جس کے پتھر پر "پربھو" کے حروف سنسکرت کے رسم الخط میں کندہ تھے۔پھر متفکر آواز میں بولا۔

"یہ ظلِ سبحانی کا حکم ہے بیگم۔"

دیوان خانۂ علم میں قدم رکھتے ہی حاضرین کورنش کے لئے کھڑے ہوگئے۔ سنسکرت کے ودوان کبت رائے، کوی نرنجن داس، دیدوں کے فارسی میں ترجمہ کرنے والے کاشی ناتھ، اپنشدوں کے فارسی میں ڈھالنے والے دوار کا نندن، سبھوں نے تعظیم دی۔یہ سب راجپوتی جامے اور پائجامے پہنے تھے۔ان کی پگڑیوں اور مندیلوں کے نیچے تلک اور چندن کی سیدھی اور آڑی دھاریاں تھیں۔ان کے چہروں پر عالمانہ تمکنت کی چھوٹ پڑ رہی تھی اور آنکھوں سے تفکر برس رہا تھا۔دارا اپنی مسند پر گاؤ سے لگ کر بیٹھ گیا۔ خواجہ سرا بسنت جو صدر دروازے پر ہزاری خلعت پہنے المانیوں کی شجاعت وجلادت کا پتلا بنا تصویر کی طرح کھڑا تھا، اندر آیا۔ساتھ ہی خدام کی ایک جماعت باانداز پر جھک کر طلائی طشتوں کو ہاتھوں پر اٹھائے آگے بڑھی۔حاضرین کے عطر لگایا گیا، گلوریاں پیش کی گئیں، اگالدان اور حقے لگائے گئے۔دارا نے ایک خواجہ سرا کے ہاتھ سے اپنی سٹک کی مہنال قبول کی۔ایک کش لیا تو ساری محفل تمباکو کی خوشبو سے معطر ہوگئی۔پھر کاشی ناتھ نے پہلو میں رکھی ہوئی ایک پرانی کتاب کھولی۔چند سطریں پڑھیں پھر دوسری کتاب سے اس کا فارسی ترجمہ سنایا۔دارا نے قبولیت کے اظہار میں گردن ہلا دی۔پھر خواجہ سرا بسنت کی اجازت سے چوبدار نے اطلاع دی کہ خانجہاں اسلام خاں مرزا راجہ جے سنگھ خاں کلاں، معظم خاں مہاراجہ جسونت سنگھ اور راؤ چھتر سال دیوان خانۂ حکومت میں باریابی کے منتظر ہیں۔دارا نے تھوڑی دیر بعد پہلو بدلا۔حاضرین بزم کھڑے ہوگئے۔وہ نیم نگاہ سے ان کی تسلیمات قبول کرتا ہوا باہر نکلا۔دیوان خانۂ حکومت کے سنگین چبوترے کے نیچے اس کا ذاتی محافظ دستہ۔راجپوتانے کے مغرور تاریخ ساز خاندانوں کے چشم و چراغ زعفرانی بانوں پر طلائی کمربندوں میں دوہری جڑاؤ تلواریں باندھے، مونچھیں مروڑے، گیسو بنائے، ہاتھوں میں لانبے نیزے لئے زعفرانی پگڑیوں میں آتشیں جیغے لگائے شیروں کی طرح کھڑے تھے۔ دارا کی نگاہ اٹھتے ہی انھوں نے گھٹنوں تک سر جھکا کر تعظیم دی۔توپ خانۂ ذاتی کے میر آتش سید جعفر نے تین آداب کئے اور پیچھے چلتا ہوا دیوان خانۂ حکومت میں داخل ہوگیا۔

تھوڑے دیر راز کی باتیں کرکے وہ مغلوں کے عہد زرّیں کے جلیل المرتبت امیروں کو جلو میں لے کر ظلِ سبحانی کی حضوری کے لئے چلا۔ خادموں کے حلقے میں کھڑے ہوئے گھوڑے کی کسی نے رکاب تھام لی۔ دارا سوار ہوگیا۔ ڈیوڑھی پر کھڑے المانی سپاہیوں کے سلام لے کر وہ ہجوم کرتے ہوئے سادھوؤں سنتوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ مسکرا کر مزاج پُرسی کی۔ خواجہ سرا درشن کو حکم دیا کہ قدیم دعا گذاروں کو انعام دیا جائے اور نو واردوں کے روزینے مقرر ہوں اور دولت خانۂ شاہی کی طرف مڑ گیا۔



ہلکی ہلکی سردیوں کا آفتاب ایک پہر کی عمر کا ہو چکا تھا۔

''مہایوگی سنتھ دیو لنگوٹا باندھے بھبھوت ملے، بالوں کی جٹاؤں کا مکٹ باندھے دھونی رمائے گیان دھیان میں مگن بیٹھے تھے۔ پھر بابا نے آنکھیں کھولیں اور ہانک لگائی۔

''یوراج کو شبھ لگن مبارک ہو۔''

خواجہ سراؤں نے دوڑ کر بسنت کو خبر پہنچائی۔ خواجہ سرا بسنت نے اپنا پٹکا درست کیا اور چاندی کا عصا جس کے سر پر ناگ راجہ کا سنہریں پھن کھڑا تھا ٹیکتا ہوا بارگاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور پردے کے پیچھے سے آواز لگائی۔

''بابا سنتھ دیو کے بچن کے مطابق صاحبِ عالم کی روانگی کا وقت ہو گیا۔''

سلطان بیگم نے سنگ سماق کی چوکی پر کھڑی ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔ کنیزوں کی چنکیوں نے زرکار فولادی سینہ بند کے کانٹے لگا دیئے۔ جوشن اور دست پوش اور موزے پہنا دیئے۔ سلطان بیگم نے سلام پھیرا، کچھ وظائف پڑھے اور چھلچھلاتی ہوئی آنکھوں کو بند کر کے دارا پر دم کر دیا اور اس کے آہن پوش سینے پر سر رکھ دیا۔ دارا نے وزنی دستانہ پوش ہاتھ اٹھا کر سلطان بیگم کا سر سہلایا۔ ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اٹھایا۔ پیشانی پر جھولتے زیور ہٹا کر بوسہ لینے کے لے سر جھکایا تو آنکھوں سے دو آنسو ٹپک کر بیگم کے رخساروں پر چمک اٹھے۔ وہ بیگم کو سہارا دیئے پردے تک آیا۔ قدموں کی مانوس چاپ سن کر بیگم دارا سے الگ ہو گئیں۔ باہر نکلتے ہی بیگم نے نم آنکھوں سے سلیمان شکوہ کو دیکھا جو سر سے پاؤں تک لوہے

میں غرق تھا۔ سلیمان تسلیم کو جھکا تو بیگم نے آگے بڑھ کر اپنے کلیجے سے لگا لیا اور مغل شہزادیوں کے روایتی تحمل کی ساری قوت سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ سبزہ آغاز بیٹے کی پیشانی پر جلتے کانپتے ہونٹ رکھ دیئے۔ جدا کرتے وقت آہستہ سے پہلا اور آخری جملہ کہا۔

''جاؤ......اور آلِ تیمور کے جاہ و جلال کے علم لہرا کر آؤ۔''

ڈیوڑھی پر دارا کے نزول فرماتے ہی یوگیوں اور سنتوں نے ہجوم کیا اور ''دیجے'' کی دعائیں دیں۔ سنتھ دیو نے اپنی گردن سے سیاہ منکوں کی مالا اُتاری اور ولی عہد کے جوشن پر باندھ دی۔



نواب بادشاہ بیگم جہاں آرا باتو اپنے دولت خانۂ خاص کی مطلاّ محراب میں کھڑی تھیں۔ اور کنیزیں داراشکوہ کی آمد کی خبر لا رہی تھیں۔ دراز قد اور اکہرے جسم کی بادشاہ بیگم سر سے پاؤں تک سفید ابریشم کا لباس اور ایک ڈال کے ہیروں کے زیورات پہنے خاموش کھڑی تھیں۔ داہنے ہاتھ کی بڑی انگلی میں مہر شاہجہانی روشن تھی۔ سفید چہرے پر مہین ابروؤں کی چھوٹی مشکیں محرابیں کانپ اٹھتیں۔ سیاہ لانبی غمگین آنکھیں مغل شاہنشاہی کے مستقبل کے اندیشوں سے لبریز تھیں۔ پشت پر داہنے بائیں دور تک مغلانیوں، خواصوں اور کنیزوں کے پرے ساکت کھڑے تھے۔ پھر خواجہ سرا حریم کی آواز بلند ہوئی۔

''مہین پورِ خلافت، ولی عہدِ سلطنت، چراغِ دودمانِ تیموری و چنگیزی، شاہ بلند اقبال سلطان داراشکوہ اعظم۔''

آواز ختم ہونے سے پہلے داراشکوہ داخل ہو چکا تھا۔ بادشاہ بیگم......جن کے اکبرِ اعظم نے چونچلے کئے تھے، جہانگیر نے ناز اٹھائے تھے اور جن سے شاہجہاں نے مشورے مانگے تھے۔ خان خاناں اسلام خاں، خان جہاں علی مردان خان اعظم مہابت خان جیسے بے نظیر سپہ سالار جس کی سواری کا پایہ پکڑنے کو اقبال مندی تصوّر کرتے تھے۔ وہ جہاں آرا آہستہ سے چلی۔ دس قدم کے فاصلے سے تختِ طاؤس کے سامنے تخت نشین ہونے والے شاہزادے نے گھٹنوں تک سر جھکا کر کورنش ادا کی۔ بادشاہ بیگم کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔

قریب پہنچ کر شاہزادے کے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنے ساتھ لئے ہوئے آئیں۔ الماس کی چوکی پر بٹھایا۔ سلیمان شکوہ کو سینے سے لگا کر زرنگار کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ لیکن وہ تسلیم کر کے جس طرح کھڑا تھا اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر کنیزیں سات جواہروں، سات دھاتوں اور سات اناجوں کے طباق خوان اور کشتیاں لے کر حاضر ہوئیں۔ دارا نے صدقات پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ محتاجوں میں تقسیم ہونے چلے گئے۔ پھر ایک مغلانی نے زمرد کے پیالے میں آبِ زمزم پیش کیا۔ ولی عہد نے سیر ہو کر پیا۔ پھر ایک خواص سونے کی کشتی میں غلاف سے ڈھکی ہوئی تلوار لائی۔ بادشاہ بیگم کھڑی ہوئیں۔ اپنے ہاتھ سے دارا کی کمر میں وہ تلوار باندھی جو دس برس تک جہانگیر کی کمر میں رہ چکی تھی اور جس کا نام ''داب جہانگیری'' تھا۔ یہ مبارک تحفہ دے کر دارا کے شانے پر ہاتھ رکھا اور ملکاؤں کے پر تجمل انداز میں فرمایا۔

''خدا سے دعا ہے کہ تمہاری ایک رکاب میں ہندوستان کی فتح ہو اور دوسری رکاب میں غنیم کی شکست۔''

سلیمان شکوہ کو آغوش میں لیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

بادشاہ بیگم نے اپنے رومال سے آنسو پونچھے اور مسکرا کر مضبوط لہجے میں فرمایا۔

''آنسو!......اور تمہاری آنکھوں میں؟......جن کی تلوار سے موت پناہ مانگتی ہے۔ جاؤ......میدانِ جنگ میں ہیبت بابری اور صولتِ اکبری کا اظہار کرو......کہ مغلوں کی میراث کے تم ہی محافظ ہو۔ پھر ایک خواص مچھلیوں کا مرتبان اور دہی کا طباق لے کر شگون کے لئے سامنے آئی۔ بادشاہ بیگم نے ہاتھ سے ولی عہد کے بائیں بازو پر تعویذ باندھا۔ اور ڈیوڑھی تک چھوڑنے آئیں۔ مسلح حبشی کنیزوں اور خواجہ سراؤں کے پروں سے گزرتے ہوئے دارا کی نگاہ خواجہ سرا عنبر پر اٹھ گئی جو شاہزادی روشن آرا کا مقبول بارگاہ تھا۔ عنبر اسی جگہ زمین بوس ہوا اور سینے پر ہاتھ باندھ کر خوشامد سے مہکتے لہجے میں بولا۔

''صاحبزادی علیا حضرت صبح سے بیقرار ہیں کہ صاحبِ عالم کو ایک نظر دیکھ لیں۔''

''قصر سے حضرت سلامت کے برآمد ہوتے ہی علیا حضرت نے نزول فرمایا......

اور دیدار سے محروم واپس آ گئیں۔'' روشن آرا کی ڈیوڑھی سے گزرتے ہی صحن میں روشن آرا کا سامنا ہو گیا۔ اور وہ تسلیم کے لئے خم ہو گئی۔ اور بارگاہ میں تشریف لے چلنے کی گزارش کی۔ دارا اسی جگہ کھڑا رہا اور نرمی سے بولا۔

''شاہ برج میں ظلِ سبحانی مجرے کے منتظر ہیں اس لئے۔''

روشن آرا نے کوئی اصرار نہ کیا۔ صدقات و خیرات کی کشتیاں بھائی کے سر سے نچھاور کیں۔ آیاتِ قرآنی پڑھ کر دم کیں۔ داہنے جوشن پر ہاتھ رکھ کر عجیب و غریب دعا دی۔

''خدا آپ کے ہاتھ سے سلطنت مغلیہ کو محفوظ رکھے۔''

سلیمان شکوہ اس دعا میں چھپی ہوئی بددعا سے تڑپ اٹھا اور دارا کے نقشِ قدم پر چلتا ہوا باہر نکل آیا۔



شاہ برج کے سامنے روشناس خدمت گزاروں اور چیلوں کا دستہ کھڑا تھا۔ دارا کو دیکھتے ہی خواجہ سرا اعتبار خاں نے کورنش ادا کی اور ظلِ سبحانی سے باریابی کی اجازت لینے اندر چلا گیا۔ ستونوں سے لگے ہوئے مسلح غلاموں نے مطلا محراب پر پڑی ہوئی موتیوں کی چلمن اٹھا دی۔ فیروزے کی چوکی پر شہنشاہ دوزانو بیٹھا تھا۔ سیاہ مندیل مالائے مروارید کے سرپیچ کے قلب میں جیغہ مرصع کے نیچے کئی ہزار مثقال کا ہیرا روشن تھا۔ سفید پرجلال داڑھی کے نیچے الماس کی آرسی تڑپ رہی تھی۔ جسے ظلِ سبحانی اکثر پہنے رہتے۔ موتیوں کے تکمے، شمسون گریبانوں اور آستینوں کے ہیرے ننھے ننھے چراغوں کی طرح منور تھے۔ ستواں ناک کے بائیں طرف سیاہ مستے سے لکلا ہوا ایک بال تک سفید ہو گیا تھا۔ پشت پر خواص خاں اور ہمدم خاں کھڑے ہوئے مورچھل ہلا رہے تھے۔ داہنے ہاتھ پر جملۃ الملک سعداللہ خاں وزیرِاعظم خلعت فاخرہ پہنے مودب کھڑا تھا۔ بائیں طرف خانِ دوراں نجابت خاں مرزا راجہ جے سنگھ خانِ کلاں معظم خاں رائے رایاں چھتر سال اور میر آتش قاسم خاں سونے چاندی سے زرد اور فولادی لباس پہنے دست بستہ حاضر تھے۔

دارا کی کورنش پر ظلِ سبحانی نے نگاہ اٹھائی اور ارشاد فرمایا۔

امیرانِ والا تبار اور راجگانِ جلادت آثار تمہاری رکاب میں دیئے جاتے ہیں۔ اور حکم کیا جاتا ہے کہ ان کے جنگی مشوروں کا لحاظ رکھا جائے۔ مغل سلطنت کے یہ وہ سردار ہیں جنھوں نے میدانِ جنگ میں تربیت پائی ہے۔ فتوحات کے علم اڑائے ہیں اور مابدولت

سے شجاعت کی داد لی ہے...... قندھار ایرانیوں کے تاج کا ستارہ اور ہماری پاپوش حکومت کا موتی ہے...... تاہم داب خسروی کا تقاضہ ہے کہ قندھار کے سینے پر ہمارا نیزہ گھڑا رہے اور ایران کا قلب ہماری تلوار کی زد میں رہے... مہابت خاں صوبے دار کابل کو فرمان جا چکا کہ وہ بلخ و بدخشاں کی سرزنش کرتا ہوا قندھار کے دروازے پر پہنچ جائے اور تمہارے ورود کا انتظار کرے...... جاتے ہی جاتے قندھار کے گرد پھیلے ہوئے قلعوں کے زنجیرے کو چھین لو اور قندھار کا محاصرہ کرلو...... غنیم کی کمک کے لئے چند منزلوں پر کھڑے ہوئے اصفہان کی ایک ایک تلوار پہنچ سکتی ہے لیکن دور دراز شاہجہاں آباد سے مہم ہی بھیجی جا سکتی ہے...... تاہم کسی بے جا شجاعت اور جان لیوا جلادت کے اظہار کی اجازت نہیں دی جا سکتی...... بابدولت کو اپنے سپہ سالار قندھار سے زیادہ عزیز ہیں۔"

ظلِ سبحانی تخت سے نیچے آئے۔ دولت خانۂ خاص کی سیڑھیوں تک بنفس نفیس رخصت کرنے تشریف لائے۔ دارا قدمبوسی کے لئے جھکا تو اسے سینے سے لگا لیا۔

نوبت خانے پر دارا کا مشہور ہاتھی "فتح جنگ" زرنگار ہودج کی قبا پہنے، مرصع چھتر کا تاج لگائے ہاتھیوں کے بادشاہ کی طرح کھڑا تھا۔ دارا کو دیکھ کر سونے کی زنجیروں میں لپٹی ہوئی سونڈ اٹھا کر سلام کیا۔ اور بیٹھنے کے لئے جھکا۔ ہودج سے لٹکتی ہوئی گنگا جمنی سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہی نقارے پر چوٹ پڑی اور نوبت خانے سے جامع مسجد سے آگے تک پھیلا ہوا لشکر حرکت میں آ گیا۔

سات بڑی توپیں، سترہ ہوئی توپیں، تیس چھوٹی توپیں، ایک سو ستر جنگی ہاتھی، ستر ہزار سوار، دس ہزار پیدل بندوقچی، پانچ ہزار برقنداز، تین ہزار احدی تیر انداز، چھ ہزار بیلدار اور تبر دار، پانچ سو سنگتراش اور نقب کن، پانچ سو سقے، دس ہزار خادم غرض پورا کارخانہ پہلی منزل کی طرف کوچ کرنے لگا۔ تین اونٹوں پر کتابیں لدی تھیں۔ سات ہاتھیوں پر سنسکرت، عربی اور فارسی کے پنڈت عالم، کوی، شاعر، منجم، دست شناس، سنیاسی اور یوگی سوار تھے۔ سڑکوں کے دونوں طرف کھڑی ہوئی شاہجہاں آباد کی آبادی خراجِ عقیدت پیش کر رہی تھی۔ شاہراہ کے دونوں طرف کی عمارتوں کی چھتیں، دروازے، چبوترے اور دریچے تماشائیوں سے چھلک رہے تھے۔ جب سواری قریب آتی تو گلاب پاشوں اور طشتوں سے خوشبودار پھولوں کی بارش ہوتی، فتح کے نعرے لگائے جاتے۔ دارا جواہر نگار خود کے نیچے چمکتی ہوئی پر

عزم اور متفکر آنکھوں سے گنجان بازاروں اور فلک بوس عمارتوں سے پھوٹتے ہوئے نعرہ ہائے تحسین و عقیدت قبول کرتا ہوا گزر رہا تھا۔



قندھار ایک منزل پر تھا۔ تور خانہ، بیوتات خانہ، جواہر خانہ اور خزانہ توپ خانے کے ساتھ پیچھے آ رہا تھا۔ دارا ظلِ سبحانی کے خاص سواری کے گھوڑے "فلک پیما" پر سوار ہندوستان کے مشہور زمانہ سالاروں اور پشتینی راجاؤں کے سبزہ آغاز بیٹوں اور بھائیوں کو جلو میں لئے خاصے کے ہزار سواروں کے ساتھ شکار کھیلتا ہوا بڑھ آیا تھا۔ امیر شکار پہاڑ خاں سدھے ہوئے شیروں، چیتوں، کتوں اور بازوں کا انتخاب لئے ہوئے ساتھ تھا۔ دریائے نیلاب کی وادیوں کے سلسلوں کی پر چھائیاں پڑنے لگی تھیں۔ کہیں کہیں زمین سبز تھی اور خودرو خوشبودار پھولوں کی جھاڑیوں کے بھاری بھاری بدسلیقہ گلدستوں سے آباد تھی۔ سامنے شمال سے جنوب تک پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ جن کے اس طرف قندھار کھڑا تھا۔ قندھار کی گرمیوں کا آغاز تھا۔ سبک اور ٹھنڈی ہوا آہستہ خرام دریا کی طرح چل رہی تھی۔ سورج ایک نیزہ چڑھ چکا تھا کہ ہراول کے سوار گھوڑے کداتے آئے اور داہنے ہاتھ کی پر پیچ پہاڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھا گیا کہ سواروں کی ایک قطار چیونٹی کی لکیر کی مانند بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ پارے کی طرح بے قرار فلک پیما پر سوار دارا ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ میواڑ کے چشم و چراغ رانا جگت نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور عقاب کی طرح اڑ کر سواروں کو جا لیا۔ مقربین نے جب دانا کی خطرناک جلادت پر اندیشے کا اظہار کیا تو دارا نے خود بھی گھوڑا اٹھا دیا۔

پھر آواز آئی۔

"امیر کابل و کشمیر و بلخ و بدخشاں...... خانِ اعظم مرزا لہراسپ مہابت خاں۔"

بوڑھا خانِ اعظم طلائی زرہ پہنے، طلائی خود پر ایک بالشت لمبی کلغی لگائے، پہاڑ ایسے جسم پر دریا کی طرح سفید داڑھی لہراتا ہوا سیاہ گھوڑے پر طلوع ہوا۔ ہفت ہزاری منصب کی علامتیں طوغ و علم و نقارہ ساتھ چل رہی تھیں۔ پچاس قدم کے فاصلے پر خان اتر پڑا۔ بڑی بڑی بغاوتوں کو کچل ڈالنے والے بھاری قدم رکھتا قریب آیا۔ کمر سے وہ تلوار نکالی جس کی

مار سے غزنیں تک چیخ اٹھا تھا۔ کورنش ادا کی۔ ولی عہد سلطنت کے دستِ راست کو بوسہ دیا اور بوڑھے مضبوط آہن پوش ہاتھ سے رکاب تھام لی۔

"قندھار کی کیا خبر ہے خان؟"

اور شاہزادے کے مقربین اور خان کے سلسلے دار ایک تیر کے فاصلے تک پیچھے ہٹ گئے۔ خان نے جو گھوڑے پر بیٹھے ہوئے دارا سے کچھ ہی نیچا تھا سفید ابرو اٹھا کر نیم خفتہ آنکھیں کھولیں اور بولا:

جیسے پہاڑی ندیوں میں بہتے ہوئے بڑے بڑے پتھر ٹکرا اٹھیں۔

"قندھار سے دو منزل پر شاہِ ایران مقیم ہے۔ قلعے کے اندر پچاس ہزار سوار اور بھاری توپ خانہ ہمارے محاصرے کا انتظار کر رہا ہے۔ قلعے کے باہر پچاس ہزار قزلباش بندوقچی امیروں اور شاہزادوں کی کمان میں منتظر کھڑے ہیں۔"

"بلخ اور بدخشاں؟"

"والیانِ بلخ و بدخشاں اور باغیانِ غزنیں و بخارا مہابت خانی لشکر میں زنجیریں پہنے صاحبِ عالم کے ورودِ مسعود کی دعا مانگ رہے ہیں۔ ایک ایک چپے اور ایک ایک قریے پر شاہجہانی اقبال کا علم لہرا رہا ہے۔"

"ظلِ سبحانی کا ارشاد ہے کہ قندھار کے اطراف میں پھیلے ہوئے تمام قلعوں کو زیر کر لیا جائے تا کہ محاصرہ سخت ہو جائے۔"

"بست، اخوند، شبک، اور شاہ پیر کے تمام قلعوں میں قزلباشوں کی چھاؤنی پڑی ہے لیکن اگر حکم ہو تو تمام کے تمام کھڑی سواری فتح کر کے قدموں میں ڈال دوں...... مگر۔"

"مگر کیا خانِ اعظم؟"

"قندھار کی تسخیر مشکل ہے۔"

"اصفہان کی فتح آسان۔"

"یعنی؟"

"ہم نے اور ایرانیوں نے یکساں طور پر ایک صدی تک قندھار کی حفاظت کے اہتمام کیے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا یہ سنگین دیو تقریباً ناقابلِ فتح ہو گیا ہے۔ ہمارے ہاتھ اس وقت آیا جب قلعہ دار نے اپنی مرضی سے ہماری غلامی قبول کی۔ ہمارے

ہاتھ سے اس وقت نکلا جب قلعہ دار نے ہم سے غداری کی...... اس لئے صاحبِ عالم قندھار کی قدرتی دیواروں کو توڑنا مشکل ہے کیوں کہ وہاں کے کارخانوں میں توپیں ڈھلتی ہیں اور بارود بنتی ہے۔ اب صرف ایک صورت ہے۔"

"کیا؟"

"ہم قندھار کو اصفہان میں فتح کریں۔"

"کیا مطلب؟"

"صاحبِ عالم ظلِ سبحانی سے گزارش فرمائیں کہ ہم کو ایران میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔ یہ بھی تحریر فرمایا جائے کہ ہمیں مزید لشکر اور خزانے کی ضرورت نہیں۔ قندھار کی حراست کے لئے نکلنے والا لشکر سارے اصفہان کو غارت کر دینے کے لئے کافی ہے۔"

دیر تک دارا کی سیاہ داڑھی جواہر نگار سینہ بند پر ٹکی رہی۔ خانِ اعظم دیر تک رکاب پکڑے جواب کا انتظار کرتا رہا۔



تازہ دم مہابت خانی لشکر کے ساتھ دارا نے بست پر دھاوا کیا اور کھڑی سواری لے لیا۔ بست کے قلعے کے سفید دولت خانے میں دارا کی بارگاہ کا ساز و سامان آراستہ کیا گیا۔ چاندی کے تخت پر چھتر لگا کر شاہزادے نے جلوس کیا۔ سب سے پہلے مہابت خاں نے اوّلین فتح کی مبارکباد دی۔ والیٔ بلخ نذر محمد خاں، اور والیٔ بدخشان اصالت خاں کو نذر میں پیش کیا۔ دونوں بوڑھے سردار چاندی کی زنجیریں پہنے سامنے آئے۔ گھٹنوں پر گر کر رحم کی بھیک مانگی جو قبول ہوئی۔ پھر ہرات، غزنیں اور بخارا کے وہ باغی پیش ہوئے جو بلخ و بدخشاں کے والیوں کی مدد پر آئے تھے۔ دارا نے ان کو سولی پر چڑھائے جانے کا حکم سنایا۔ پھر وہ کشتیاں قبول ہوئیں جو جواہرات اور پارچہ جات سے لبریز تھیں۔ طلائی اور سیمیں ساز و سامان سے آراستہ گھوڑے لائے گئے جو پسندِ خاطر ہوئے۔ سب سے آخر میں چار سو کنیزیں سامنے آئیں۔ ان میں بلخ و بخارا کی وہ مشہور کنیزیں بھی شامل تھیں جو رقص و موسیقی میں دور دور تک شہرت رکھتی تھیں۔ دارا کے حکم پر سید جعفر نے دس کنیزیں عمر حسن اور فن کے لحاظ سے منتخب

کرلیں۔ باقی سالارانِ لشکر میں تقسیم ہوگئیں اور اخوند، شبک اور حاجی پیر کے قلعوں کی فتح کیلئے خاں کلاں نجابت خاں مرزا راجہ جے سنگھ اور رستم خاں فیروز جنگ کو احکام دیئے گئے۔

جس زور شور سے بسنت کے قلعے پر رات اترنے لگی، اسی دھوم دھام سے روشنی کا لشکر حرکت کرنے لگا۔ مشعلیں، شمعیں، چراغ، چوکیاں، کنول، گلاس جھاڑ فانوس روشن ہوگئے۔ دارا قلعے کی دوسری منزل کے مغربی برج میں بیٹھا تھا۔ خاموشی، روشنی اور پیچوان کی کڑکڑاہٹ کے علاوہ کسی دوسرے کو حضوری کی مجال نہ تھی۔ وہ اپنشدوں کا ترجمہ پڑھ رہا تھا اور محظوظ ہو رہا تھا کہ منظور نظر خواجہ سرا بسنت نے حاضر ہو کر گزارش کی۔

"سید جعفر حاضر ہیں۔"

دارا نے یہ خبر اس طرح سنی گویا سید جعفر کے سر پر سینگ اُگ آئے ہیں۔ اس نے پیچوان کی نے زانو پر ڈال دی اور سر کو جنبش دی۔ جعفر کے ساتھ ایک اونچے قد اور بھرپور جسم کی سرخ و سفید عورت اندر آئی اور کورنش کے لئے خم ہوگئی۔ وہ سیاہ کامدار چولی پہنے تھی۔ اونچے بھاری لہنگے سے نکلی ہوئی سنہری پنڈلیاں "دوشاخوں" کی طرح روشن تھیں۔ گوشت سے بھرے ہوئے ٹخنوں پر گھنگھرو بندھے تھے۔ کچے سونے کے برہنہ بازوؤں پر جوشن سجے تھے۔ مہین لانبی زنجیروں میں بندھا ہوا "جگنو" گہری ناف پر رکھا تھا۔ ستے ہوئے چہرے پر کاجل سے سیاہ لمبی آنکھیں شباب کی آگ سے دہک رہی تھیں۔ پکے سرخ ہونٹوں کی ہوس انگیز دراز سے دانتوں کے موتی نظر آ رہے تھے۔ وہ جب سیدھی ہوئی تو شہزادے نے سوچا کہ اگر گھوڑے کی رکاب ٹوٹ گئی ہو تو اس کے کولھے پر پاؤں رکھ کر سوار ہوا جا سکتا ہے۔ دارا نے جعفر کو گھور کر دیکھا۔

"یہ نذر محمد خاں کی درباری رقاصہ لالہ ہے۔"

دارا نے پھر ایک کش لیا۔ بسنت نے طلائی کشتی میں جواہر نگار صراحی اور زمرد کا پیالہ سجا کر رکھ دیا۔ اب دوسری کنیز پیش ہوئی۔ وہ لانبا کرتا اور شلوار پہنے تھی۔ کمر کے چوڑے تنگ پٹکے میں چاندی کے گھنگھروؤں کی گوٹ لگی تھی۔ وہ نازک ترین ناک نقشے اور سبک ترین ہاتھ پاؤں کی معصوم سی لڑکی تھی۔

آواز آئی۔

"یہ بخارا کی گل بدن ہے اور طاؤس بجانے میں بے مثال ہے۔"

اچانک بہت سی کنیزیں ایک ساتھ برج میں داخل ہوئیں۔ وہ سب بدن پر منڈھے ہوئے سرخ، سبز، سیاہ اور زرد چست پائجامے اور آنکھوں میں کھب جانے والے رنگوں کی پشوازیں پہنے تھیں۔ سر تال کے ساتھ سلام کرتی ہوئی آگے بڑھیں اور پیچھے ہٹ کر حکم کا انتظار کرنے لگیں۔ دارا نے لالہ کو نگاہ بھر کر دیکھا۔ وہ محشر اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی۔ سلام کئے اور صراحی اٹھا کر باہر نکلے ہوئے کولھے پر رکھ لی۔ لانبی مہین انگلیوں میں سبز پھول کے مانند پیالہ اٹھالیا اور دعوت دیتے ہوئے بے پناہ جسم کی ایک ایک ادا گھول کر شاہزادے کو پیالہ پیش کیا۔ بسنت نے گل بدن کو طاؤس دے دیا...... اور نغمے کی غمناک لذت نے دل تڑپانے لگا۔ شاہزادہ شراب، حسن اور غنا کے نشے میں شرابور بیٹھا تھا۔ جھوم کر سر اٹھاتا۔ نیم باز آنکھیں... کھول کر گلبدن کو دیکھا جس کی انگلیوں کے ساتھ جیسے سارا جسم کانپ رہا تھا۔ نغمے کا سحر ختم ہوا۔ گلبدن نے سر اٹھایا تو چھلچھلاتی ہوئی آنکھوں پر دارا کی نگاہ پڑ گئی۔ ہاتھ سے ساغر پھینک کر اشارہ کیا۔ گلبدن تخت کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ ننھے ننھے موتیوں سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ دارا نے مسند سے پشت لگالی اور گرجدار آواز میں بولا۔

"مغل شہزادے جس دن عورتوں پر...... نہیں کنیزوں پر بھی ظلم کرنے لگیں گے اس دن روئے زمین کی یہ بے نظیر سلطنت ختم ہو جائے گی...... مانگ کیا مانگتی ہے؟"

کنیز کے ہونٹ کانپتے رہے اور آنسو ٹپکتے رہے۔

"تخت طاؤس کی قسم جو مانگے گی عطا کیا جائے گا۔"

کنیز نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پوری قوت سے اپنے الفاظ اگل دیئے۔

"ولایت بخارا کے بادشاہ اصالت خاں کی رفاقت۔"

"قبول کی گئی...... بسنت!"

"صاحب عالم"۔

"حکم دو کہ ابھی...... اسی وقت گلبدن کو اصالت خاں کی قیام گاہ پر پہنچایا جائے۔"

بسنت کنیز کے ساتھ باہر نکلنے لگا تو حکم ہوا۔

"ٹھہرو۔"

"ان کنیزوں میں جو بھی جہاں اور جس کے پاس جانا چاہے...... اسے ابھی لے جاؤ...... اور ابھی منزل مقصود تک پہنچانے کا بندوبست کرو۔"

بسنت دیر تک کھڑا رہا لیکن کسی کنیز نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

''صاحبِ عالم کے قدموں کی جنت چھوڑ کر جانے پر کوئی رضامند نہیں۔''

اور وہ گلبدن کے ساتھ باہر نکل گیا۔

گل بدن چلی گئی لیکن اس کے آنسو دارا کی آنکھوں میں ناچتے رہے۔ ان چھوٹے چھوٹے طلسمی آئینوں میں اس نے سارے جہان کے دکھوں کی صورتیں دیکھ لیں۔ چند سکوں، زیوروں اور کپڑوں کے لئے انسانی زندگیوں کے نیلام پر چڑھائے جانے کے بھیانک مناظر دیکھ لئے۔ اس کا مزاج مکدر ہو گیا۔ مشرق کے عیاش درباروں کی کسوٹی پر کسی ہوئی لالہ دیر تک پیالہ لئے کھڑی رہی۔ پھر لبریز جام کشتی میں رکھ دیا۔ تخت کے سامنے کھڑی ہو کر گھنگھرو چھیڑنے لگی۔ دارا گلبدن کے آنسوؤں کے طلسم خانے سے باہر آیا۔ لالہ کے بے محابا حسن کے ہوسناک تقاضوں سے مسرور ہوا۔ آہستہ سے سر کو جنبش دی۔ سر کی جنبش ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے بھرپور پاؤں کی ٹھوکر مار کر رقص کا آغاز کیا۔ جیسے جھلستی گرمیوں کے پہلے روزے کے افطار کی توپ داغ گئی ہو۔ وہ بغیر ساز کے ناچ رہی تھی۔ مشک کے ابرو، نیلم کی آنکھیں، یاقوت کے ہونٹ، سیاہ ریشم کے گیسو، سنگ مرمر کی برجیاں، ہاتھی دانت کے نازک ستون، سونے کی محرابیں، چاندی کے مخروطی شہتیر اور بلور کے گنبد سب اپنے غرور کے نشے میں ناچ رہے تھے۔ جب وہ ناچتے ناچتے جھونک لیتی اور گھیر دار لہنگا لپٹ جاتا تو دارا کی نشیلی شرمیلی آنکھیں جھپک جاتیں اور کنیز کی بے جھجک نگاہ سرگوشیاں کرنے کی جسارت کرنے لگتی۔ عروج کے اسی لمحے میں جعفر اندر آیا تو نگاہ کے سامنے بجلی کوند گئی۔ جوان تندرست خوبصورت ایرانی نژاد جعفر، شاہ بلند اقبال کے ذاتی توپ خانے کا میر آتش اور ندیم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول گیا کہ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کے ادب شناس ولی عہد کے حضور میں کھڑا ہے۔ وہ جادو کی کہانیوں کے اس کردار کی طرح کھڑا رہا جو طلسم کے اثر سے پتھر میں منقلب ہو گیا۔ جب لالہ کا طوفان تھما اور دارا کی نگاہ اٹھی تو وہ ہوش میں آیا اور گھٹنوں پر گر کر گزارش کی۔

''رانا بخت سنگھ باریابی کا خواستگار ہے۔''

دارا کے ابرو ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

''بخت سنگھ؟''

''رانائے میواڑ کا بھتیجا...... رانا بخت سنگھ خون آلود کپڑے پہنے درِ دولت پر حاضر ہے۔''

دارا نے ہاتھ کا پیالہ رکھ دیا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر دوزانو بیٹھ گیا۔ اور نشے سے عاری آواز میں حکم دیا۔

''پیش ہو۔''

دو لفظ سنتے ہی لالہ الٹے قدموں چلتی اور تسلیم کرتی ہوئی برج سے باہر نکل گئی۔ ابھی دروازے کا بھاری پردہ ہل رہا تھا کہ جعفر کے پیچھے رانا بخت سنگھ اندر آیا۔ زعفرانی بانا خون سے گلکار تھا۔ چہرے سے تھکن اور آنکھوں سے مصیبت ٹپک رہی تھی۔ مونچھوں اور گیسوؤں کے زاویئے بگڑے ہوئے تھے۔ وہ دوہری تلواروں کے خالی نیام پہنے ہوئے تھا۔ وہ کورنش کرتا ہوا تخت کے سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک غلام سرپوش سے ڈھکی ہوئی کشتی لئے اندر آیا۔ رانا نے وہ کشتی دونوں ہاتھوں پر رکھ کر نذر پیش کی جس پر ہاتھ رکھ دیا گیا۔ رانا نے کشتی تخت کے پائے کے پاس رکھ دی اور جب جعفر اور غلام سے برج خالی ہو گیا تو گلوگیر آواز میں استدعا کی۔

''اندھیر ہو گیا صاحب عالم۔''

''یمین السلطنت (سعد اللہ خاں) کی فوجوں نے سارے میواڑ کے گڑھوں کو کھیت بنا دیا ہے۔ بستیوں میں لاشوں کے کھلیان لگے ہیں۔''

''مگر کیوں؟''

''مہارانا راج میں دورہ کرنے والے تھے۔ ریاستی حکام نے ان قلعوں اور شہر پناہوں کی جہاں مہارانا اپنی رانیوں کے ساتھ ٹھہرنے والے تھے مرمت کرائی۔ کہیں رعایا نے سواگت کے لیے گڑھیاں درست کر لیں۔ رنواس کی حفاظت کے لئے تھوڑی سی فوج بڑھائی...... بس اتنا کافی تھا۔ اورنگ زیب کے جاسوسوں نے پیال کا ہاتھی بنا دیا۔ ظلِ سبحانی کے کان بھرے گئے۔ مہارانا نے سنا تو پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ دیوان کو حکم ہوا کہ ترنت شاہجہاں آباد جائے اور ظلِ سبحانی کو وفاداری کا وشواس دلائے۔ ابھی دیوان سوار بھی نہ ہوئے تھے کہ شاہی لشکر ریاست میں گھس پڑا۔ راستے کے قلعوں کو تہس نہس کرتا ہوا ''راج نواس'' کے دروازے پر توپیں چڑھانے لگا۔ سویم مہارانا نے قلعے کی کنجیاں حوالے کیں اور دوسرا صلحنامہ لکھ دیا۔ مگر فوج ہرجانے کا دس لاکھ روپیہ وصول کرنے کے بہانہ

ریاست میں پڑی ہے۔مہارانا کا آپ سے نویدن ہے کہ ''خان'' کو فوجوں سمیت میواڑ سے نکلوائیے اور پرانی شرطوں کی پابندی کرنے کا حکم دیجئے۔آپ کے پیچھے دربار ''خان'' کے ہاتھوں میں ہے۔وہ جیسا چاہتے ہیں حکم منوا لیتے ہیں۔''

رانا خاموش ہو گیا۔لیکن دارا کا ذہن شاہی اصطبل کے گھوڑوں کی طرح سرپٹ دوڑتا رہا۔پھر ہونٹوں پر زہر آگیں مسکراہٹ لا کر رانا کو دیکھا اور تیکھے لہجے میں بولا۔

''سعد اللہ خاں اور اورنگ زیب کی یہ سازش میواڑ کے خلاف نہیں قندھار کی مہم کے خلاف ہے، ماہدولت کے خلاف ہے......لیکن اس کا تدارک کیا جائے گا سرزنش کی جائے گی''......

اس کی تالی کی آواز سنتے ہی جعفر حاضر ہوا۔

''منشی اور کاتب طلب ہوں۔''

''رانا ہمارا مہمان ہو۔''

اور رانا بخت سنگھ سلام کرتا ہوا، الٹے پیروں چلتا ہوا غلاموں کے جھرمٹ میں باہر چلا گیا۔

''حضوری'' سے نکلتے ہی بھوری آنکھوں اور بھورے بالوں والا جعفر اپنے دل کی جلن سے بیقرار نچلی منزل کے اس حصے میں آیا جہاں ''دولت خانے'' کے صحن کے اس پار سرخ حجروں کی قطار کھڑی تھی۔یہاں کنیزوں کے قیام کا انتظام تھا۔حجروں کے آگے شعلوں کے ہجوم کی روشنی میں حبشی خواجہ سراؤں کی تلواریں پہرہ دے رہی تھیں۔پہلا حجرہ لالہ کا تھا۔کنیزیں طعام خانے میں کھانا کھا رہی تھیں۔اس کا جی چاہا کہ طعام خانے میں گھس کر اپنے مضطرب آنکھوں کو لالہ کے جمال سے تسکین دے لیکن خواجہ سرا بسنت کی تلوار کے خوف سے باز رہا۔غلاموں نے اس کے کوشک کے پردے ڈال دیئے تھے۔تخت پر چمڑے کا دستر خوان بچھا تھا۔اس پر زرد کپڑا لگا تھا۔اور چاندی کی قابوں میں بھنے ہوئے تیتر اور تر تراتے ہوئے پراٹھے مہک رہے تھے۔وہ آب ذمک سے بے نیاز لقمے اور لالہ کے حصول کے منصوبے بنانے لگا۔

اس رات جب عشا کی نماز ہو چکی تھی اور لالہ دارا کی محفل میں اپنے جسم کی لوچ کے کمالات دکھلا رہی تھی اور جعفر کا راز دار خواجہ سرا کنیزوں کے حجروں پر اپنا دستہ لئے پہرہ

دے رہا تھا اور جعفر بیماری کا بہانہ کر کے اپنے کوشک میں سونے کے لئے آچکا تھا۔اور خواجہ سرا بسنت دارا کا خفیہ خط لے کر شاہجہاں آباد سدھار چکا تھا کہ جعفر کا غلام ایک گٹھری لے کر اندر آیا۔جعفر نے شمع کی روشنی میں لانبا کرتا اور تنگ پائجاموں کا گھیردار سیاہ پائجامہ پہنا۔چہرے پر نقاب ڈالی۔ہاتھوں میں سیاہ دستانے پہنے۔کمربند میں خنجر لگایا اور سرخ الوان کا جھونپا منھ پر ڈال کر باہر نکلا۔معمول کے خلاف دور دور پر کھڑی ہوئی چند مشعلوں کی مدھم روشنی میں الف لیلیٰ کی داستان سنتے ہوئے خواجہ سراؤں کے پہلو سے گزر کر وہ حجروں کی قطار میں آیا۔کسی خواجہ سرا نے گردن موڑ کر ادھر دیکھا لیکن عنبر نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔جعفر نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا۔اندر گھپ اندھیرا تھا۔اس نے ٹٹول ٹٹول کر تخت کے نیچے ننگے فرش پر اپنا الوان بچھایا اور دیوار کی طرف کھسک کر لیٹ رہا۔باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔لیکن حجرہ گرم تھا۔اوپر اکلوتا روشن دان لوہے کی سلاخوں کی پلکیں بند کئے سو رہا تھا۔جعفر اپنی سانس کی آوازوں سے چونک اٹھتا اور دم سادھ لیتا——بڑی دیر کے بعد بڑی مدت کے بعد دروازے پر چاپ ہوئی۔دروازہ کھلا۔شمع کی لرزتی روشنی کے ساتھ لالہ کے جسم کی خوشبو سے حجرہ چھلکنے لگا۔پھر دروازہ بند ہوا۔بھاری آہنی زنجیر چھنچھنا کر چڑھ گئی۔تپائی پر رکھے ہوئے شمعدان میں لالہ نے شمع لگائی۔قد آدم آئینے کے سامنے فارسی کا کوئی مصرعہ گنگنانے لگی اور سر کے زیور کھولنے لگی۔جعفر نے آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کر دیا۔تخت کی چھت سے نکلتے نکلتے کئی دن بیت گئے۔وہ اچانک نیزے کی طرح کھڑا ہو گیا۔کپڑوں کی سرسراہٹ پر لالہ نے چونک کر پیچھے دیکھا تو خوف سے آنکھیں پھیل گئیں اور ہاتھوں سے برہنہ جسم چھپا لیا۔جعفر نے اپنا خنجر اس کی ناف پر رکھ دیا اور کانپتی ہوئی مدھم آواز میں بولا۔

''صبح کے حجرے سے نکلنے سے قبل یہ کمر کے باہر تیر جائے گا۔''

پھر دستانہ پوش انگلیاں چاندی کے بازوؤں پر پھسلنے لگیں۔لالہ حکم کی تعمیل میں تخت پر بیٹھ گئی۔جعفر نے ایک طاق میں ڈھیر تمام شمعیں اٹھائیں اور روشن کر دیں۔لالہ جس نے مردوں کے ہوسناک ستم سہنے ہی میں جوانی اوڑھی اور حسن پہنا تھا آج ڈر گئی تھی۔کسی نے آج تک اسے خنجر کی نوک پر حکم نہیں دیا تھا۔اسے اپنی عصمت کا کچھ ایسا احساس نہیں تھا لیکن اندیشہ ضرور تھا کہ یہ جاسوس دیواریں کہیں شہزادے کے کانوں میں کڑ دی اور کنڈی

داستان نہ انڈیل دیں اور اس کا التفات غضب میں بدل جائے۔

''تم جانتی ہو میں کون ہوں؟''

''نہیں۔''

لالہ نے انسانی آواز اور فارسی کا نفیس لہجہ سنا تو ذرا مطمئن ہوئی۔

''میں سیّد جعفر صولت جنگ میر آتش توپ خانۂ شاہی کا غلام ہوں۔ مجھے حکم ہے کہ تم تک اپنے ولی نعمت کی بے پایاں محبت کا پیغام پہنچادوں اور اگر تم انکار کرو تو یہ خنجر سینے میں اتار دوں۔''

''میں...... میں حاضر ہوں۔''

اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

جعفر نے اپنی آستین سے رومال نکالا اور لالہ کی آنکھوں پر باندھنے لگا۔

''مجھے اپنے کپڑے پہن لینے دو۔''

''انتظار کرو۔''

پھر جعفر نے اپنا نقاب اتارا اور کرتا تخت کے کونے پر ڈال دیا اور درجن بھر شمعوں کی روشنی میں خدا کی صنعت کا تماشہ دیکھنے لگا۔



جب لالہ کی آنکھیں کھلیں اور اس نے اپنے سامنے سید جعفر کو کھڑا پایا تو نفرت سے ابرو سمیٹ کر حقارت سے نگاہ کی اور بیبا کی سے اٹھ کر اپنا کرتا پہننے لگی۔ جعفر نے قریب پہنچ کر اپنا خنجر چمکایا۔ اس نے خنجر سے تیز نگاہ سے گھورا اور زہر میں بجھے لہجے میں بولی۔

''میر آتش صاحب...... اگر میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی تو دروازے پر کھڑی ہوئی تلواریں آپ کے ٹکڑے اڑا کر پھینک دیں گی۔''

اور وہ اسی طرح بے نیازی سے کھڑی ہوئی بالوں میں پھنسے ہوئے جھالوں کی زنجیریں سلجھانے لگی۔

''لالہ میں اپنی جان پر کھیل کر تم تک آیا ہوں۔ مجھے نامراد نہ کرو۔ ورنہ اپنی اور

تمہاری دونوں کی زندگیاں برباد کردوں گا۔''

''توبہ۔ توبہ۔''

اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔

''مجھے تو معاف رکھئے۔ اپنی البتہ برباد کر لیجئے۔ آپ کے سر کی قسم کسی سے نہ کہوں گی۔''

''میں تمہیں ایک بار پھر موقع دیتا ہوں مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''کنیز لائق الحال شاہِ بلند اقبال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے...... اس لئے آپ...... اپنا چار جامہ چڑھائیے...... اور دفعان ہوجائیے۔''

جعفر نے اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلتے دیکھیں تو سچ مچ چار جامہ چڑھانے لگا۔



دارا اپنے گھوڑے ''فلک سیر'' پر سوار باغ مرزا کامراں پر آیا جو قندھار کے قلعے سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ سواری کے چاروں طرف زرد کمبلوں میں لپٹے ہوئے یوگی اور سنتھ کفنیاں پہنے، صوفی اور درویش عجیب عجیب صورتیں بنائے ہوئے ساحر اور عامل چل رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنی مافوق الفطرت طاقتوں کے بل پر فتح قندھار کی بشارت دے رہے تھے۔ دارا باغ کامراں کی فصیل کے نیچے کھڑی ہوئی توپوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ سامنے ''فتح مبارک'' نامی توپ کھڑی تھی جو پینتالیس سیر کا گولہ پھینکتی تھی۔ اس کی نال پر کندہ تھا۔

توپ دارا شکوہ شاہجہاں

می کند قندھار را ویراں

تھوڑی دور پر ''کشور کشا'' تھی جو بتیس سیر کا وزنی گولہ مارتی تھی۔ اس کے بعد توپ خانۂ شاہی کی وہ مشہور عالم توپ تھی جس کا نام ''گڑھ بھنجن'' تھا اور جس میں چھپن سیر کا گولہ چلتا تھا۔ ان توپوں کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی بڑی توپیں فولادی ہاتھیوں کی طرح ادھر ادھر کھڑی تھیں۔ ان کا عملہ اور خچروں کا انبوہ حدِّ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ دارا ان کے ملاحظے کے بعد لشکر کی طرف چلا۔ قندھار کے مشرق میں شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا

بیکراں میدان خودوں، بکتروں، جھنڈوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں سے بھرا ہوا تھا۔ سالارانِ لشکر دارا کی پیشوائی کو بڑھے جس کی سواری کے گرد محافظ دستوں کے سجیلے سواروں کے بجائے سادھوؤں، اور درویشوں، عالموں اور ساحروں کا ہجوم تھا۔

دارا ان کے حلقے سے نکلا۔ امراء کے سلام لیے اور گھوڑے پر چڑھتے ہی حکم سنایا۔

''دروازہ بابادلی'' کی تباہی مہابت خاں کے سپرد ہوئی۔''

سواری کے پاس کھڑے ہوئے مہابت خاں نے شکرانے میں کورنش ادا کی۔

''دروازہ دلیس قرن'' کی بربادی پر قلیچ خاں مامور ہوئے۔''

قلیچ خاں نے شکرگزاری میں سر جھکایا۔

''دروازۂ دلیس قرن اور خواجہ خضر کے مابین کا علاقہ جعفر میر آتش کو تفویض ہوا۔''

نوجوان اور ناآزمودہ کار جعفر کو یہ اعزاز ملتے ہی بوڑھے امیروں اور سپہ سالاروں کی پیشانیوں پر شکن پڑ گئی اور کنکھیاں مشورے کرنے لگیں۔

''اور دروازۂ خواجہ خضر پر میر بخشی عبداللہ کا تقرر کیا گیا۔''

عبداللہ کم رتبہ شخص تھا اور ولی عہد کا ذاتی میر بخشی تھا۔ اس کے نام لکھی گئی یہ عزت افزائی افواج شاہی کے نامی گرامی سرداروں اور جلیل المرتبت منصب داروں کی بے عزتی پر محمول کی گئی۔

''حضری دروازے اور شوری دروازے کے درمیان قاسم خاں میر آتش افواجِ شاہی مقرر کیا گیا۔''

''اور خاص شوری دروازہ مرزا راجہ جے سنگھ کے نام لکھا گیا۔''

''لاکاہ کا مورچہ چمپت رائے بندیلہ اور باقی خاں کو عطا ہوا۔''

''اور اخلاص خاں کو برج چہل زینہ پر مامور کیا گیا اور خانِ کلاں نجابت خاں دوسرے حکم کا انتظار کریں۔''

جوگیوں اور ساحروں کے ہجوم میں گھوڑے پر سوار دارا اس تاریخ ساز محاصرے کے لئے فیصلہ کن احکام صادر کر رہا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا تھا جیسے وہ قہار لشکر کے امیروں کو حکم نہیں دے رہا ہے بلکہ برہد کی خانقاہ میں مسند پر کھڑا ہوا وجودیت کے موضوع پر خطبہ دے رہا ہے اور حاضرین دم بخود بیٹھے ہیں۔ گھوڑوں کے مہمیز سواروں کے نیام اور ہاتھیوں کی

سونڈوں میں لپٹی ہوئی زنجیریں کھنک اٹھتیں تو معلوم ہوتا جیسے سننے والوں نے پورے ادب اور احترام کے ساتھ کسی نازک نکتے پر داد دی ہو۔ اس کے دماغ میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ رگ وید کی عبارت، اپنشدوں کے ترجمے، جوگیوں کے بچن اور ساحروں کے قول سب ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو گئے تھے۔ جب وہ ان جھمیلوں سے دامن جھٹک کر نگاہ اٹھاتا تو سامنے چتوڑ کا قلعہ نظر آتا جس کے برجوں پر سعد اللہ خانی پرچم اڑ رہے تھے۔ وہ جھنجھلا کر دوسری سمت نگاہ کرتا تو ''اورنگ زیب'' کے چرب زبان امیروں کو ظلِ سبحانی کے حضور میں کھڑا ہوا دیکھتا۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن یہ ملاحظہ کرنے سے قاصر تھا کہ جعفر اور عبداللہ کو بخشی ہوئی زرّیں خدمتیں مغل اقبال کے محافظ سرداروں کے چہروں پر رینگتے ہوئے بچھوؤں کی طرح نمودار ہو چکی ہیں۔ تھوڑے وقفے کے بعد حاضرین نے سنا کہ شاہزادے کے ''میر سامان'' ملا فاضل کو خندقیں اور دمدمے بنانے کا حکم دیا گیا اور رستم خاں بہادر فیروز جنگ کو فرمان ملا کہ بسنت کی سڑک کی حفاظت کرے۔ پھر امیروں نے دیکھا کہ شاہزادہ اپنے مقربین کے جلو میں باغ کامراں کے پھاٹک کی طرف چل دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے میلوں میں پھیلے ہوئے قلعۂ قندھار کی پہاڑوں کی طرح کھڑی ہوئی تین طرف کی فصیلیں مغل لشکر کے حلقے میں آ گئیں سارا دن مورچالوں کے بنانے، سرنگیں کھودنے اور دمدمے قائم کرنے میں صرف ہو گیا۔ دارا اپنی سفید بارہ گاہ کی سرخ مسند پر بیٹھا ظلِ سبحانی اور پادشاہ بیگم کو خطوط لکھتا رہا، عبارتیں سنتا اور ترجمے کرتا رہا اور ناآزمودہ کار سلیماں شکوہ دس ہزار فوجِ کورکاب میں لئے محاصرے کے انتظامات کی نگرانی کرتا رہا۔

پھر حملہ ہوا۔ حملے ہوئے۔ ہزاروں من گولے، سیکڑوں من بارود صرف ہو گئی۔ ان گنت تفنگوں اور لاتعداد کمانوں کی گولیوں اور تیروں کی قلعے پر بارش کر دی گئی۔ لیکن وہ چٹان کی طرح قائم رہا۔ دشمن کے گولوں، پتھروں بارود کے صندوقوں اور کھولتے ہوئے تیل کی دھاروں کے ساون بھادوں برستے رہے اور کھلے آسمان کے نیچے ہزاروں سپاہی کھیت رہے۔ پہاڑ کی سی دیواروں کی حفاظت میں کھڑا دشمن کا محفوظ توپ خانہ برابر کی چوٹیں کرتا رہا۔ دن رات چلتے ہوئے قندھاری کارخانے آتش خانوں کے نقصان کی تلافی کرتے رہے۔ ایک سپہ سالار اگر جان پر کھیل کر یلغار کرتا تو دوسرا اس خوف سے کہ فتح کا سہرا رقیب کے سر نہ بندھ جائے اسے ناکام کر دینے کے منصوبے بناتا اور کامیاب ہوتا۔

قندھار جنگ کی آگ میں جل رہا تھا لیکن زندگی اپنے چھوٹے چھوٹے معمولات کی انجام دہی میں مصروف تھی۔ ایک شہر قندھار کے اندر آباد تھا۔ اور دوسرا اس کے باہر شمال سے جنوب تک ایک کھنچی ہوئی کمان کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ اونچی شامیانے، مخملیں بارگاہیں اور زربفت کے نمگیرے رنگ برنگے جگمگاتے محلوں کی طرح کھڑے تھے۔ جن کے کلسوں پر طوغ و علم و نشان اڑ رہے تھے، نقارے گرج رہے تھے اور نوبتیں بج رہی تھیں۔ سیکڑوں ہاتھی اور ہزاروں گھوڑے لاتعداد خچروں اور سپاہیوں کی طرح آہنی پاکھریں پہنے موسم کی تلواریں کھا رہے تھے۔ سرحد ایران کی دیہاتی آبادی کا نصیبہ کھل گیا تھا۔ بوڑھے کسان اور چرواہے اور غریب تاجر بھیڑیں، بکریاں اور جنس اور آرائش کی چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچنے لاتے۔ تین تین ماہ کی پیشگی دوگنی تنخواہوں سے کھنکتی جیبوں سے من چاہا سودا کرتے اور جنگ کو دعا دیتے جس نے ان کی تجارت کو چمکا دیا تھا۔ لاچار اور بیکار آدمی لشکر کی ملازمت کر لیتے۔ جھوٹے سچے قصے سناتے، ٹوٹے پھوٹے گانے گاتے۔ موٹے جھوٹے کام کر کے اپنے پیٹ کا دوزخ بھرتے۔

ایک شام جب جعفر مورچوں پر آتش باری کر کے واپس آیا تو اورنگ زیب کے خفیہ قاصد پیش ہوئے۔ ابھی وہ ان کو رخصت ہی کر رہا تھا کہ عنبر نے دو بوڑھے درویشوں کو پیش کیا۔ جعفر دیر تک عنبر اور فقیروں سے باتیں کرتا رہا۔ پھر غسل کیا پوستین پر طلائی کمر بند باندھ کر جڑاؤ خنجر لگایا اور دونوں بوڑھوں کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور رباغ کا مزان میں اتر پڑا۔ دارا سفید مخملیں پردوں کے پیچھے مسند سے لگا بیٹھا تھا اور چھتر سال سے اس کی تازہ نظم سن رہا تھا اور داد دے رہا تھا۔ جعفر کورنش ادا کر کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ شعر و ادب کا عاشق شہزادہ جب اپنا مقررہ اور موجودہ وقت عالموں، ادیبوں اور شاعروں کی صحبت میں گزار چکا تو جعفر کی طرف متوجہ ہوا۔

جعفر نے گزارش کی۔

"کابل سے ایک درویش حاضر ہوا ہے۔ جس کو حضرت میاں میر سے نسبت ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اسے تسخیر جن اور فن تکسیر میں کمال حاصل ہے۔ وہ دشمن کے مقابلے کی شدت سے واقف ہے اور التماس کرتا ہے کہ اگر اسے حکم دیا جائے تو قندھار اٹھا کر صاحب عالم کے قدموں میں ڈال دے۔"

دارا کے اشارے پر ایک پیر مرد اندر لایا گیا جو سیاہ کملی میں لپٹا ہوا تھا جس کا ایک ایک بال برف کے گالوں کی طرح سفید تھا۔ آنکھوں سے جلال اور چہرے سے اقبال ٹپک رہا تھا۔ شاہزادے نے سلام کا جواب دیا۔ اسے اپنے پاس بٹھایا اور جعفر کے قول کی تائید چاہی۔ فقیر نے دونوں ہاتھ زانوؤں پر پھیلائے نیم باز آنکھوں سے بارگاہ کی چھت کی طرف دیکھا جو فانوسوں کی کہکشاں سے روشن تھی اور فرشتوں کی سی آواز میں بولا۔

گزشتہ جمعے کو حضرت (میاں میر) نے خواب میں حکم دیا کہ میں قندھار جاؤں صاحب عالم کی خدمت میں حاضری دوں اور مدد کی پیش کش کروں۔ آپ کا لشکر قندھار کی فوجوں سے نہیں جناتوں سے لڑ رہا ہے اور ناکام ہو رہا ہے۔ جناتوں سے جنات لڑ سکتے ہیں یا قرآن پاک کی آیتیں۔"

تھوڑی دیر سکوت رہا۔ دارا سر جھکائے سوچتا رہا۔ درویش پھر خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔

اگر صاحب عالم "لولیانِ لشکر" میں سے ایک لولی عنایت کریں اور کچھ سامان فراہم فرمائیں تو میں اس جن کی نذر چڑھاؤں جس کے قبضے میں قندھار ہے اور صاحب عالم کے دخل میں لے آؤں۔"

شاہزادے کی انگلیاں اسی طرح پھولدار سے کھیلتی رہیں۔

"تم نے کس لولی کا انتخاب کیا؟"

"صاحب عالم جن کا بتلایا ہوا حلیہ خدمت عالی میں پیش کردوں گا اور صاحب عالم اس کی تلاش فرما کر غلام کے حوالے کر دیں گے۔"

دارا جس کے لئے میاں میرؒ کی نسبت ولایت کی سند تھی جس نے عمر بھر کبھی جھوٹ بولنے کا ارتکاب نہ کیا تھا۔ جس نے اسی مہم میں بڑے بڑے سادھوؤں سنتوں اور عالموں اور ساحروں کی عاجزی دیکھ لی تھی۔ ہم رکابوں کی ساری دعائیں اور پیشین گوئیاں بیکار اور غلط ثابت ہو چکی تھیں جس کے دل پر لکھا ہوا تھا کہ قندھار کی فتح سے ہندوستان میں اسے جو وقار حاصل ہوگا وہ "اورنگ زیب" کو تخت طاؤس سے اور دور کر دے گا۔ اس بھولے دارا نے ایک معصوم بچے کی طرح فقیر کو پر یقین نگاہوں سے دیکھا اور لولی کا حلیہ دریافت کیا۔

"صاحب عالم اس لولی کا قد نکلتا ہوا جسم کسی قدر گول، رنگ سرخی مائل سفید،

آنکھیں سیاہ، ابرو مہین اور خمدار، سینہ فربہ اور بلند، سرین بھاری، ہاتھ اور پاؤں سبک ہیں، اس کا نام ''ل'' سے شروع ہوتا ہے۔ داہنے ہاتھ کی پہلی انگلی پر مسہ ہے۔ بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی پر تل ہے اور گردن پر لہسن آواز میں کھنک اور رقص میں سحر ہے۔''

''اور۔''

''کچھ مشک عنبر اور زعفران۔''

''اور۔''

''ایسا مقام جہاں انسانوں کا گذر نہ ہو۔ مجھے اس ''لولی'' کے ساتھ عطا کیا جائے اور انتظار فرمایا جائے کہ پردۂ غیب سے کیا نمودار ہوتا ہے۔''

''انتظار کی مدت۔''

''اگر چالیس دن کی مدت میں قندھار کو قدموں میں نہ ڈال دوں تو گردن اڑا دی جائے۔''

دارا نے اپنے معتبر ندیم اور امیر جعفر کو سوالیہ نگاہ سے دیکھا۔ اس نے دست بستہ گذارش کی ''غلام درویش کا ضامن ہے۔''

قلعۂ بسنت کے نوبت خانے کے داہنی طرف کشادہ میدان کے قلب مین قد آدم وسیع و عریض چبوترے کے چاروں طرف سنگ سرخ کی ایک نیزے سے بلند دیوار تھی۔ اس کے حلقے میں بھورے پتھر کا مضبوط برج تھا جہاں مغل سپاہ کا ایک دستہ مقیم تھا۔ وہ عمارت اسی وقت خالی کی گئی اور قیام کے سامان سے آراستہ ہونے لگی۔

دو پہر رات باقی تھی جب لالہ کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے آنکھ کھولی۔ سرہانے شمع جل رہی تھی اور دروازے پر تھپکیاں دی جا رہی تھیں۔

''کون؟''

''عنبر۔''

''کیا ہے؟''

''دروازہ کھولو۔''

اس نے گرم چادر جسم پر لپیٹی اور دھڑکتے دل سے دروازہ کھول دیا۔ عنبر کے ساتھ ساتھ سیاہ پوش مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ اندر آیا اور لالہ پر ڈاکوؤں کی طرح جھپٹ پڑا۔ ایک

قوی ہیکل سپاہی نے اسے بے بس کر کے اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور برج میں پہنچا دیا اور حصار کے چاروں طرف تلواریں کھڑی ہو گئیں۔

برج کا آہنی دروازہ اندر سے بند تھا۔ سارے فرش پر سیاہ نمدہ بچھا تھا۔ دیوار سے لگے تخت پر چمڑے کے گدّے پر لالہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ ڈھلکی ہوئی چادر سے سنگ مرمر کی سفید برجیاں نیزوں کے برابر اونچی شمعوں کی تیز روشنی میں نظر آ رہی تھیں۔ چمک رہی تھیں۔ جعفر اپنے ہتھیار اتار رہا تھا۔ درویش نے مشرقی کونے سے نمدہ اٹھا دیا اور ایک زنگ آلود قلابہ پکڑ کر زور کرنے لگا۔ جعفر نے کنکھیوں سے اسے مصیبت میں دیکھا تو لپک کر قلابہ چھین لیا اور پوری طاقت سے کھینچا تو پتھر کی ایک سل اٹھ آئی۔ جعفر نے اسے زمین پر رکھ دیا اور دوسری سل پکڑ کر الٹ دی اور حیرت سے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ جعفر نے ایک طاق سے شمع اٹھالی روشن کی اور سیڑھیاں دیکھنے لگا۔ درویش نے ایک انگیٹھی میں عنبر سلگا دیا۔ اس کا سفید خوشبودار دھواں سارے برج میں بھر گیا۔ جعفر نے شمع اٹھالی اور وہ سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ لوہے کا دروازہ کراہ کر کھل گیا۔ وہ دونوں ایک لمبے چوڑے کمرے میں کھڑے تھے۔ جس کی دیواریں بدصورت اور فرش کھردرا تھا۔ سیاہ لکڑی کے تخت، زرد چمڑے کے گدّے اوڑھے دیواروں سے لگے بچھے تھے۔ پتھر کی چھوٹی بڑی تپائیاں ادھر اُدھر پڑی تھیں۔ طاقوں میں چقماق، شمعیں، عوددان، انگیٹھیاں، کوئلے، نمک اور خشک میوے ڈھیر تھے۔ کونوں میں تفنگیں، سیسے کے ٹکڑے، بارود کے ڈبے، تلواریں، گرز، کمانیں، نیزے اور تیر پڑے تھے۔ درویش نے دھیرے سے کہا ''لولی کو یہاں لے آؤ۔'' اور اس کی آواز کی گونج بھیانک معلوم ہوئی۔

جب درویش تہہ خانے سے باہر چلا گیا اور لالہ کے ہاتھ کھل گئے تب جعفر نے شریر آواز میں کہا۔

''لالہ...... یہ آخری کوشش ہے...... اس کے بعد گلا گھونٹ کر اسی تہہ خانے میں چھوڑ دوں گا۔''

لالہ نے مجبور سپردگی سے جعفر کو دیکھا اور ہونٹوں پر قفل ڈالے کھڑی رہی۔ جعفر کی لرزتی جلتی انگلیاں اس کے ننگے بازوؤں کے ننھے کانپتے صندلیں ستونوں پر لرزتی رہیں۔ سیڑھیوں پر آہٹ ہوئی۔ لالہ پوستین میں سمٹ گئی۔ فقیر ایک بھاری دہکتی ہوئی

انگیٹھی اٹھائے اندر آیا اور جعفر کو مخاطب کر کے آہستہ سے بولا۔

''تم دونوں آرام کرو......ابھی ایک پہر رات باقی ہے......دروازہ کھول دو۔ میں اپنے انتظام سے فراغت کرلوں۔''

''دروازہ۔''

''ہاں یہ کیا ہے؟''

اس نے مغربی دیوار کی طرف اشارہ کیا جو شمع کی روشنی میں غور سے دیکھنے پر نظر آ گیا۔ جعفر نے پتھر کے دروازے میں لگے ہوئے آہنی کڑے کو کھینچ کر دروازہ کھول دیا۔ نصیرا اپنی شمع پر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی کا سایہ کئے دروازے میں داخل ہو گیا جعفر نے اسے کھینچ کر پھر بند کر دیا۔ اس کا ذہن کچھ سوچنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن سامنے لالہ کھڑی ہوئی تھی۔ لالہ......لالہ رخ......لالہ بدن۔

دن بھر کی جسمانی تھکن اور تین پہر رات کے ذہنی تشنج سے چور جعفر جب لالہ کی عنبریں زلفوں میں منہ ڈھانپ کر سویا تو معلوم نہیں کب آنکھ کھلی۔ لیکن جب آنکھ کھلی تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ تخت کے سامنے دردیش چار مسلح دیو قامت سپاہیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ سپاہی پانچوں ہتھیار لگائے بھوتوں کے مانند اسے گھور رہے تھے۔ وہ اچھل کر بیٹھ گیا اور لالہ کو کمبل میں چھپا کر پاگلوں کی طرح ان کو دیکھنے لگا۔

''گھبراؤ نہیں......محراب خاں نے تمہاری پیشوائی کو بھیجا ہے۔''

''محراب خاں؟''

''ہاں......قندھار کے قلعہ دار محراب خاں۔''

پھر اس کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں اور ہاتھ دردیش نے تھام لئے۔ لالہ کو سوتا چھوڑ کر وہ اندھوں کی طرح چلنے پر مجبور ہو گیا۔ پھر اس کے نتھنوں میں خوشبوئیں اور کانوں میں آوازیں آئیں اور پاؤں قالینوں میں دھنس گئے۔ پٹیاں کھولی گئیں۔ صندل کے تخت پر محراب خاں بیٹھا ہوا تھا۔ سفید چہرے پر مہندی سے رنگی ہوئی داڑھی اور تیز نیلی آنکھیں اور بھاری کمر میں بڑا ہوا خنجر، سب چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ تم محراب خاں کے سامنے ہو۔ اس نے کورنش ادا کی۔ محراب خاں تخت سے اٹھا۔ اس کے کندھے پر اپنا وزنی ہاتھ رکھ دیا اور تخت کے برابر رکھی ہوئی ہاتھی دانت کی کرسی پر بٹھا دیا اور تمکنت سے بولا۔

''تم تو ہو صاحبزادۂ بلند اقبال کے ذاتی توپ خانے کے وہ میر آتش جس نے قندھار کو دوزخ بنا دیا ہے۔''

جعفر سوچ رہا تھا کہ یہ تعریف ہے یا فردِ جرم۔

''نوجوان......ہم تمہاری شجاعت کی داد دیتے ہیں اور تم سے، سید جعفر صولت جنگ، سے معاہدہ کرنا چاہتے ہیں......لیکن تم ضروریات سے فارغ ہو لو۔''

اس نے تالی بجائی اور دو ماہ پیکر اور ستارہ لباس کنیزیں اندر آ کر حکم کا انتظار کرنے لگیں۔ محراب خاں نے ان کی طرف دیکھے بغیر حکم دیا۔

''ہمارے مہمان اور دوست مرزا سید جعفر صولت جنگ کی خدمت میں رہو اور ہر حکم کی تعمیل کرو۔''

کنیزوں نے سرخم کئے اور الٹے قدموں چلنے لگیں۔ خان نے کھڑے ہو کر اور کسی قدر خم ہو کر دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ جعفر کنیزوں کے ساتھ چلنے لگا۔

خوشبودار پانی سے لبریز مرمریں حوض میں غسل کر کے وہ باہر نکلا تو شعلہ بدن کنیزوں نے سات رقوم جواہر سے آراستہ ہفت پارچہ خلعت پیش کی۔ مرصع ہتھیار کمر سے لگائے۔ سیمیں برتنوں میں میوے اور مشروبات پیش کئے۔ جب وہ محراب خاں کے دولت خانے کی طرف چلا تو شمعیں روشن ہونے لگی تھیں اور فانوس جگمگانے لگے تھے۔ سنگ مرمر کے استر کار اور جھاڑوں سے آراستہ ایوان میں آبنوسی تخت، اصفہانی قالین پر زردوز مسند لگائے محراب خاں بیٹھا تھا۔ جعفر کو دیکھتے ہی ذرا سا اٹھا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ گداز قالینوں پر نیم دائرے میں کھڑی ہوئی کنیزیں حرکت میں آئیں۔ کسی کنیز نے دھیمے سروں میں حافظ کی غزل چھیڑ دی اور آہستہ آہستہ رقص ہونے لگا۔ ایک کنیز جھوم جھوم کر چلتی ہوئی آئی اور اپنی سفید ننگی کمر سے صراحی اتاری۔ پیالہ بھر کر پہلے محراب خاں کو پیش کیا اور کٹاری آنکھوں سے جعفر کو دیکھتی رہی۔ جعفر جو اس کے بدن کے پیچ و خم میں کھویا ہوا تھا اپنی ناک کے پاس پیالہ دیکھ کر چونک پڑا اور قبول کیا۔ محراب خاں رقص و سرور سے بے نیاز اسی طرح پیالہ لئے بیٹھا تھا۔ پھر خان نے ہاتھ بلند کیا ایوان کنیزوں سے خالی ہو گیا۔ محراب نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

''وطن کی خدمت دنیا کی سب سے بڑی سعادت اور دین کی سب سے بڑی

عبادت ہے۔''

جعفر خاموش رہا۔

''مغل لشکر کے سردارانِ عظام میں سے صرف ایک جلیل الشان امیر ایسا ہے جو اگر ہماری معاونت کرے تو ہم ایران کو اس عظیم مصیبت سے نجات دلانے میں کامیاب ہو جائیں......اور اس امیر کا نام ہے مرزا جعفر صولت جنگ۔''

جعفر نے زبان نہ کھولی۔

''آپ کو دارا کی سرکار سے جو تنخواہ ملتی ہے ہم اس کی دوگنی ادا کریں گے اور ایک سال کی فوراً ادا کریں گے اور اس کے عوض میں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ مغل توپ خانہ ہم کو کم از کم چالیس دن کی مہلت دے دے۔ چالیس دن تک خاموش رہے تا کہ زمین دوز راستیوں سے ہماری کمک آ سکے۔ اور زخمی توپ خانے کی مرمت کی جا سکے۔''

''لیکن یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔''

جعفر نے بڑے کرب سے جواب دیا۔ محراب خاں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہنے لگا۔

''آپ کے اختیار میں ہے......آپ قلعہ شکن، عقدہ کشا، فتح مبارک، کشور کشا اور گرڈھ بھنجن نامی توپوں کی خرابی کا بہانہ کر کے خاموش کر سکتے ہیں۔ ماہر گولہ اندازوں کو معتوب کر سکتے ہیں۔ ہوائی توپوں کے آزمودہ کار توپچیوں کی جگہ نا تجربہ کار توپچیوں کو بھیج سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو بارود کے ذخیرے ضایع کئے جا سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو مغل لشکر کو محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔''

جیسے آخری جملہ کہتے کہتے وہ چھلک گیا۔

''لالہ......وہ تو ہے ہی آپ کی......اس کے علاوہ قندھار کی ہر کنیز آپ پر حلال کی جاتی ہے......آپ کی خدمت پر مامور کی جاتی ہے۔''

محراب خاں اس کی پشت سے مسند لگا کر اٹھ گیا اور ایوان جگمگاتے جسموں سے چھلکنے لگا۔ حسین و جمیل جسم لباس کی بے جا تہمت اٹھائے ہوئے ہولناک اداؤں سے سپردگی کا اظہار کرتے شوق کے سمندر میں ڈوب جانے پر آمادہ کرتے ہوئے اس کے ارد گرد رقص کرنے لگے، منڈلانے لگے۔ کسی نے رباب اٹھا لیا۔ کسی نے بازوؤں کے خنجر چمکا

کر گھنگھرو چھیڑ دیئے، کسی نے یاقوت کے شہتوت اس کے ہونٹوں کے سامنے کر دیئے۔ کوئی اس کے تخت کے سامنے آنکھوں کے پیالے خالی کرنے لگی۔ اور وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ دارا شکوہ کی خدمت خواجہ سرا بسنت کی خون ٹپکاتی تلوار کھینچے ہوئے اس کے سامنے آئی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر غیظ سے دیکھنے لگی اور ''غدار'' کا خطاب دے کر تلوار علم کر دی۔ اس نے پہلو بدل لیا۔ پھر اصفہان آنکھوں کے سامنے ناچنے لگا۔ صاف ستھری پتھریلی سڑکیں نکیلے گنبدوں چوکور میناروں اور آئینی محرابوں کی سرخ و سیاہ عمارتیں گل چہرہ کنیزوں، فرشتہ صورت غلاموں، عراقی گھوڑوں، مصری ریشم اور ہندی کمخواب کے لباسوں سے جگمگاتے بازاروں کی رونق یاد آئی۔ قصر شاہی کی شوکت، گمشدہ ماں باپ کی محبت، بہنوں کی لگاوٹ اور بھائیوں کی رفاقت ایک ایک چیز [illegible] کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی اور امان کی بھیک مانگنے لگی مگر جعفر بیٹھا رہا۔ پھر کسی نے پٹکا پکڑ کر کھینچ لیا۔ دارا شکوہ سامنے کھڑا تھا۔ دارا شکوہ......ولی عہد سلطنت۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور چہرہ غضب سے سرخ تھا۔ تالی بجتے ہی موت سے زیادہ بھیانک جلاد دونوں ہاتھوں میں جمدھر اٹھائے ہوئے سامنے آیا اور لال لال آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ دارائی ابروؤں کو جنبش ہوئی اور جمدھر اس کے سر پر اٹھ گیا......پھر......

پھر جیسے ایک طرف پردہ اٹھا۔ اورنگ زیب آ گیا۔ اورنگ زیب حاکم دکن......آتے ہی جلاد کا جمدھر سونے کا ہار بن کر اس کے گلے میں جگمگانے لگا۔ اس نے گردن جھکا لی اور اس کے رخسار کسی کے لبوں کے لمس سے لرز گئے۔ اس نے پوری آنکھیں کھول دیں۔ تو جیسے لالہ مسکرا دی۔ اس کے جسم سے لالہ کی مخصوص خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور کھڑا ہو گیا۔ کسی نے اپنے سفید عریاں بازو اس کی گردن میں ڈال دیئے۔

''کہاں؟''

''بسنت۔''

اس نے چپکے سے بازوؤں کو اپنی گردن سے اتار دیا۔ اس کی کمر پر آہستہ سے تھپکی دی اور دروازے کی طرف بڑھا کنیزیں اپنے حلقے میں لئے ہوئے دوسرے ایوان میں آ گئیں۔ جس کے وسط میں تختوں کی قطار لگی تھی۔ چمڑے کے دسترخوان پر چاندی کی لاتعداد قابوں میں انواع و اقسام کی نعمتیں چنی تھیں ایک خوان میں تازہ پھل ڈھیر تھے۔ ایک طرف سے خان آ گیا۔ شفیق میزبان کی طرح لے جا کر اس کے ہاتھ دھلوائے۔ اپنے برابر بٹھایا۔

خود قابیں اٹھا اٹھا کر اس کے سامنے لگائیں۔ گوشے میں بیٹھی ہوئی ایک کنیز مدھم سروں میں ارغنوں بجاتی رہی۔ ابھی کھانا ختم نہیں ہوا تھا کہ جیسے آسمان پر گرجتے ہوئے بادل زمین پر گر پڑے۔ جیسے ساون بھادوں کی کڑکتی بجلیاں ایک ساتھ جمع ہو کر قلعے پر ٹوٹ پڑیں۔ جیسے زلزلہ آ گیا۔ محراب خاں اس سے رخصت لئے ہوئے بغیر باہر نکلا۔ مغل توپ خانہ قیامت ڈھائے ہوئے تھا۔ محراب خاں کے رہائشی مکانات شیشے کے خوانوں کی طرح چور چور ہو گئے۔ پچاس پچاس سیر کے گولے اولے کی طرح برس چکے تو پتہ چلا کہ کتنے ہی روشناس سپاہی اور سردار شکار کئے ہوئے جانوروں کی طرح مردہ پڑے تھے۔ بارود بنانے والے اور توپیں ڈھالنے والے کارخانے زیروزبر ہو گئے۔ محراب کی مہندی سے رنگی ہوئی حسین داڑھی خوف سے بھیانک ہو گئی جیسے داڑھی خون میں نہا گئی ہو۔ وہ اس کے قریب کھڑا رہا۔ اور اس کی بدحواس آواز سے احکام سنتا رہا۔ پھر چاندی کا ایک خوان سامنے لایا گیا۔ خان نے اپنے ہاتھ سے اشرفیوں کی تھیلی جعفر کے سامنے رکھ دی اور تلوار کمر سے باندھ دی۔ جعفر نے اپنا جائزہ لیا۔ کچھ نہ ملا تو داراشکوہ کی بخشی ہوئی انگوٹھی خان کی نذر کر دی۔ پھر مسلح غلاموں نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور وہ سرنگ میں رینگنے لگا۔

تہ خانے میں داخل ہوتے ہی وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ دیواروں پر دیبائے رومی کے دیوار پوش ٹنگے ہوئے تھے۔ کاشانی اطلس کے چھت پوش کے نیچے نقرئی فانوس جگمگا رہے تھے۔ فرش پر مصری قالین بچھے تھے۔ تخت...... زرکار تخت پوشوں اور زردوز مسندوں سے سجے ہوئے دولھا بنے بیٹھے تھے۔ چاندی کی انگیٹھیوں میں بخورات سلگ رہی تھیں۔ اور لالہ ریشمیں ازار اور ایرانی قبا پہنے دراز تھی۔ ایک کنیز اس کے بالوں کو عود کے دھوئیں سے بسا رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی کنیز سلام کر کے دروازے میں غروب ہو گئی۔ اس نے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ اور لالہ کے کھلے ہوئے بے محاسن میں کھو گیا۔

داراشکوہ چاندی کے تخت پر بیٹھا ہوا مجمع البحرین کے کتابت کئے ہوئے اوراق پڑھ رہا تھا۔ خواجہ سرا بسنت طلائی کشتی میں دوسرا جز لئے کھڑا تھا۔ فہیم ایک ہاتھ میں قلم دان اور دوسرے میں قلم پکڑے ہوئے تھا جو عقاب کے پر کی کلغی لگائے ہوئے تھا۔ جعفر نے تخت کے سامنے کھڑے ہو کر کورنش ادا کی۔ دارا نے کاغذ بسنت کی کشتی میں ڈال دیا اور تخلیے کا اشارہ کیا۔

"تمہارے درویش کا کیا حال ہے؟"

"وہ عمل پڑھ رہے ہیں صاحبِ عالم............ اور بندۂ درگاہ دو دن سے ان کی خاموش حضوری کی سزا بھگت رہا ہے۔ آج بڑی مشکل سے مجرے کی اجازت لے کر حاضر ہوا ہوں۔"

"ہمارا خیال ہے کہ وہ اپنے عمل میں اور شدت سے مشغول ہو جائیں۔"

"صاحبِ عالم میری گزارش ہے......"

دارا نے تالی بجا دی۔

بسنت تعظیم دے کر کھڑا ہو گیا۔

"مابدولت سوار ہوں گے...... سردارانِ لشکر کو حکم پہنچایا جائے کہ "بابِ کامرانی" پر حاضر ہوں۔" اور دارا کھڑا ہو گیا۔ جعفر تسلیم کر کے باہر نکل آیا۔

باغ کامران کے داخلے "بابِ کامرانی" کی محراب میں کھڑے ہوئے امیروں نے دارا کی سواری دیکھ کر مجرا ادا کیا۔ میدان میں سپہ سالاروں کے ذاتی رسالوں کے گھوڑے آہنی پاکھریں پہنے پاؤں پٹک رہے تھے۔ ان کی لگامیں پکڑے جیالے سوار سر سے پاؤں تک اُچکی بنے خاموش کھڑے تھے۔

دارا نے مہابت خاں کی طرف نگاہ کی۔ خان نے ہاتھ باندھ کر گزارش کی۔

"ہماری آتش بازی نے دشمن کے کارخانے غارت کر دیئے ہیں۔ جلوس شاہانہ کا شرف پانے والی عمارتیں زیروزبر ہو چکی ہیں۔ غلام کی رائے ہے کہ "عقدہ کشا" اور ضرب عزرائیل دوسری توپوں کے ایک دستے کے ساتھ دروازۂ بابا ولی پر لگا دی جائیں اور چند گھنٹے مسلسل گولہ باری کی جائے تو امید ہے کہ دروازے کو صدمہ پہنچے گا اور دشمن ہماری تلوار کا شکار ہو گا۔"

راجہ مرزا جے سنگھ نے عرض کیا۔

"خندق عبور کر لی ہے اور دو ہزار راجپوت دیوار کے نیچے پہنچا دیئے ہیں۔ اگر توپ خانے کی مدد حاصل ہو جائے اور برج سے آگ کی برکھا تھم جائے تو کمندوں کے ذریعہ اپنا لشکر قلعے میں اتار دوں۔ دارا خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر سپہ سالاروں کو سواری کا حکم دیا۔ ان کو عقب میں لے کر تمام مورچوں کا معائنہ کیا اور حکم دیا کہ تمام بڑی توپیں دروازہ

بابا ولی اور ''برج آب دزد'' پر لگا دی جائیں۔ اور اس وقت تک آتش باری ہوتی رہے جب تک دشمن کی مدافعت ختم نہ ہو جائے تا کہ راجپوت کمندوں کا استعمال کر سکیں۔ دارا اپنی بارگاہ کی طرف مڑ گیا۔ مہابت خاں اور مرزا راجہ گھوڑے اڑا کر توپوں کی نشست کے لئے مقامات کا انتخاب کرنے لگے جو جگہ مناسب خیال کی جاتی وہاں ایک نیزہ گاڑ دیا جاتا۔ مغرب کے وقت تک ایک ایک توپ کی نشست کا تعین کر دیا گیا۔ چھوٹی چھوٹی مشعلوں کے جگنوؤں کی روشنی میں ہوائی توپیں اپنی پرانی جگہوں سے اکھاڑ کر نئے مقامات پر نصب کی جانے لگیں۔ بڑی توپوں کی حرکت کے لئے صبح کا انتظار کیا جانے لگا۔



ادھر سورج کی پہلی کرن نے سرخ بارگاہ کے زرّیں کلس کو سلام کیا اور ادھر ہزاروں خچر اور سپاہی فولاد کے ہاتھیوں جیسی توپوں کو اونچے راستوں سے گزار کر نئے مقامات تک پہنچانے کی سر توڑ کوشش کرنے لگے۔ میدانِ جنگ تک، جو شور و غل کا آشنا ہوتا ہے، اس کہرام سے دہل اٹھا۔ ایک پہر رات گئے تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ صبح ہوتے ہی دارا سوار ہوا۔ مرزا راجہ جے سنگھ کے مورچوں کا معائنہ کر کے ہوائی توپوں کی نشست دیکھی اور داد دی۔ پھر ''دروازہ بابا ولی'' پر گیا۔ مہابت خاں نے پہاڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر جو بڑی بڑی سات توپیں لگا رکھی تھیں۔ انھیں ملاحظہ کیا۔ توپچیوں کو انعام اور سرداروں کو خلعت عطا کئے جانے کا حکم دیا اور خان کا منصوبہ سن کر واپس ہوا۔ بارگاہ پر اترتے ہی پنڈتوں اور فقیروں کو یاد کیا گیا اور قندھار پر مرکزی حملے کے لئے مبارک ساعت کا حکم دیا گیا۔ ساتھ ہی سید جعفر کی طلبی کا حکم ہوا۔

بال بال میں موتی پروئے، انگ انگ میں زیور گوندھے لالہ نیلے قالین پر آہستہ آہستہ رقص کر رہی تھی جیسے شاہجہاں کا خاص بجرہ جمنا پر ڈول رہا ہو۔ ایک کنیز ستار لئے بیٹھی تھی۔ جیسے نئی ماں اپنی گود میں کھڑے ہوئے بچے کو چوم رہی ہو۔

سرخ و سفید جعفر چھوٹی چھوٹی بھوری مونچھوں کو بچھوں کے ڈنک بنائے ایرانی مخمل کا جامہ پہنے، موتیوں کے تکیے لگائے۔ مندیل پر مرصع کلغی سجائے داراشکوہ کی طرح

مسند سے لگا گلاب کا پھول سونگھ رہا تھا۔ اور لالہ کے لہریں لئے ہوئے بے پناہ جسم کے ایک ایک زاویے اور ایک ایک آن کو عمر بھر کے لئے اپنی آنکھوں میں قید کر لینا چاہتا تھا کہ ایک کنیز ادب سے چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کان کے پاس ہونٹ لا کر آہستہ سے بولی۔

''آپ کو دربار میں یاد کیا گیا ہے۔''

جعفر شہزادگان والا تبار کی تمکنت سے اٹھا۔ تلوار کا زاویہ درست کیا اور میٹھی میٹھی نگاہوں سے لالہ کو دیکھتا ہوا کنیز کے ساتھ نکل گیا۔

محراب خاں تخت پر بیٹھا تھا۔ داہنے بائیں کرسیوں پر امرائے لشکر موجود تھے۔ خان نے تخت سے اٹھ کر پیشوائی کی اور ایک سیمیں کرسی پر بٹھا دیا۔ غلاموں کی ایک قطار چاندی کی کشتیاں اٹھائے حاضر ہوئی۔ محراب خاں پھر تخت سے نیچے اترا۔ ایک کشتی کو بوسہ دیا۔ اپنے سر تک بلند کیا اور غلام کے ہاتھوں پر رکھ کر سرپوش اٹھایا۔ کشتی میں ایک تلوار رکھی تھی۔ محراب خاں نے دونوں ہاتھوں سے وہ تلوار اٹھا لی۔ ایک امیر نے آگے بڑھ کر جعفر کی کمر خالی کر دی۔ محراب خاں نے اپنے ہاتھوں پر رکھی ہوئی تلوار کو بوسہ دیا اور جعفر کی کمر میں باندھ دی اور کڑک دار آواز میں بولا۔

''دربار ایران سے عطا کیا گیا خطاب میرزائی اور شمشیر شاہزادگی مبارک ہو۔''

اور ایک طلائی حاشیے کا پروانہ کشتی سے اٹھا کر جعفر کے سر پر رکھ دیا۔ جسے اس کے ہاتھوں نے سنبھال کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ غلاموں کی قطار نے کشتیاں اپنے سروں پر اٹھائیں۔ امیروں کے رخصت ہونے پر محراب خان نے ''فرزندِ ارجمند'' کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور دیر تک سرگوشیاں ہوتی رہیں۔

وہ لالہ کے بدن سے لبالب بھرے ہوئے آغوش کی لذّت سے محظوظ ہوتا رہا۔ پھر جدائی کی شیریں شکایتیں سن کر برج کے باہر نکل گیا۔ عنبر نے تسلیم کے لئے جھکتے ہوئے عرض کیا کہ سرکار سے طلبی آئی ہے۔ وہ پھاٹک پر کھڑے ہوئے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہوا اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

دارا سفید جامے پر سیاہ نیم آستین پہنے، کانوں کے اوپر گیسو اور نیچے موتی ڈالے سفید اطلس کا چست پائجامہ پہنے دیوار میں لگے ہوئے نقشے کو دیکھ رہا تھا۔ پشت پر راؤ چھتر سال کان کی لوؤں تک مونچھیں چڑھائے شاہجہانی خود سنہریں کلغی لگائے سیمیں زرہ بکتر

مہابت خاں اور مرزا راجہ کے سراپردۂ خاص میں عدالتیں قائم ہو گئی تھیں۔ اور بسنت کے قلعے کے ایک ایک ذمہ دار آدمی کی فہرست مکمل ہو گئی تھی۔ سید جعفر اس خفیہ فہرست کی تکمیل کے بعد صبح ہوتے ہوتے ایک ایک من کے پاؤں اٹھاتا اپنے کوشک میں واپس آیا۔ سامنے عنبر، رضا قلی، فرہاد خاں اور حسین علی چہروں پر خوف کے توبڑے چڑھائے کھڑے تھے۔ پنشاخوں کی زرد روشنی میں جعفر ان کی ناک صورتوں کے نقوش پڑھتا رہا۔ اور پھر ایک بھیانک خوف کی ٹھنڈک اس کی ہڈی میں تیر گئی۔ اس نے ان چاروں کو اپنے ساتھ لیا اور برج میں چلا گیا۔ درویش تخت پر جانماز بچھائے دوزانو بیٹھا تھا۔ شمعدان کی لرزتی روشنیوں میں اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور تسبیح کے فیروزی دانے انگلیوں سے پھسل رہے تھے۔ جعفر نے ساتھیوں کو برج میں چھوڑا اور خود تہ خانے کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ فانوسوں کی تیز روشنی میں لالہ اپنے ریشم پوش تخت پر طلوع ہوتی ہوئی صبح کی میٹھی نیند میں غرق پڑی تھی۔ فرش پر کمسن خواجہ سرا کمبلوں میں لپٹے گٹھری بنے پڑے تھے۔ جعفر ایک ایک چیز کو دیکھتا ہوا سرنگ میں کھلنے والے دروازے کے سنگین پٹ کے قریب آیا۔ کھول کر دیکھا۔ قزلباشوں کا ایک دستہ سیاہ پگڑیوں کے شملوں میں منہ چھپائے کھڑا تھا۔ انھیں انتظار کرنے اور مشعلیں بجھا دینے کا حکم دیا۔ اور برج میں آ کر عنبر، رضا قلی، فرہاد خاں اور حسین علی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ لالہ کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے سرنگ کے دروازے کی طرف بڑھے۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ قزلباش بھیڑیوں کی طرح جھپٹے اور زہر میں بجھے خنجر دستوں تک سینوں میں اتار دیئے۔

دارا کے دستِ خاص سے لکھے ہوئے فرامین لے کر تین قاصد صبا رفتار سمندوں پر سوار ہوئے اور کابل، بلخ اور بدخشاں کے راستوں پر زخمی عقابوں کی طرح اڑنے لگے۔ سرحدی دیہاتوں پر ہزاری منصب دار متعین ہوئے کہ جس قیمت پر اور جس قدر بارود اور سیسہ ممکن ہو فراہم کیا جا سکے۔ تمام بلند مقامات پر تیرانداز مورچہ باندھ کر بیٹھ گئے۔ شمال سے جنوب تک میلوں میں پھیلا ہوا مغل لشکر سمٹ کر ایک جگہ آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا کہ مغل توپ خانے کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر غنیم اپنے آتش خانوں کے ساتھ دھاوا نہ کر دے۔ بچا کھچا آتش گیر سامان آڑے وقت کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔

ایک ایک دن ایک مہینے کی طرح کاٹا گیا۔ ایک ہفتہ ایک ایک سال کی طرح

گزارا گیا۔ لیکن سونے کے بھاؤ خریدا ہوا سامانِ توپ خانہ اتنی مقدار میں بھی میسر نہ ہو سکا کہ ''گرہ بھنجن'' اور عقدہ کشا جیسی بھاری توپیں سلامی کے لئے بھی داغی جا سکیں۔ کابل، بلخ اور بدخشاں سے قاصدوں کی واپسی کا آسمان سے اترنے والے فرشتوں کی طرح انتظار ہوتا لیکن وہ کسی طرح آہی نہ چکتے۔

دارا اپنے خاص سواروں کے ساتھ باغ کامران سے برآمد ہوا۔ اخوند کے قلعے کو جانے والے ٹیڑھے میڑھے راستے پر بڑھ رہا تھا کہ پہلو سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں آئیں۔ دارا نے باگ کھینچ لی۔ چند سوار دریافت حال کے لئے عقب سے نکلے۔ آنے والوں نے دارا کا طوغ دیکھتے ہی گھوڑوں کی پیٹھ چھوڑ دی۔ زمین بوس ہوئے اور آگے بڑھے۔ خواص خان کو دیکھتے ہی دارا چونک پڑا اور حاضری کا سبب پوچھا۔ خواص خاں نے پٹکے سے خریطۂ زریں نکال کر پیش کر دیا۔ دارا نے بوسہ دیا۔ پیش قبض سے مہر توڑی اور مکتوب شہنشاہی کھولا۔ مرقوم تھا۔

''مہین پور خلافت!

مطلع کیا جاتا ہے کہ بادشاہ بیگم کے مزاج کی ناسازی سنگین صورت اختیار کر گئی ہے۔ اس لئے تاکید کی جاتی ہے کہ مہم مہابت خاں کے ہاتھوں سونپ کر امرائے نامدار اور راجگانِ جلادت آثار کے ساتھ فوراً کوچ کرو کہ بادشاہ بیگم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور مابدولت کو سکونِ قلب میسّر ہو۔

(مہر برائے) ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں غازی
صاحبقرانِ ثانی

احتیاط کے پیش نظر خواص خاں کو ہم رکاب لیا۔ اخوند کے قلعے کی طرف چلتے ہوئے راؤ چھتر سال کو حکم دیا کہ پوری راز داری کے ساتھ امرائے جلیل الشان کو طلب کیا جائے۔ میر سامان ملا فاضل کو حکم ہوا کہ ہزاری منصب داروں کے ساتھ اڑے اور دو دو منزلوں کے بعد قیام کا انتظام کرے۔

باغ کامراں کی سفید بارہ دری کے سرخ قدِ آدم چبوترے کے چاروں طرف مغل اور راجپوت سپاہیوں کا سخت پہرہ کھڑا تھا۔ خواجہ سرا تک داخلے سے معذور تھے۔ تمام دردں

پر پردے پڑے تھے۔ اندر مہابت خاں خانِ کلاں نجابت خاں مرزا راجہ، رستم خاں فیروز جنگ دارا کے جلوس کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر دارا راؤ چھتر سال راجہ راجروپ راؤ رتن سنگھ ہاڑا، سید جعفر اور رانا جگت کے ساتھ برآمد ہوا۔ دارا نے بیٹھتے ہی ظلِ سبحانی کے فرمان کا مضمون سنا دیا۔ مہابت خاں اپنی کرسی سے اٹھ کر تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ اعتمادِ شہنشاہی کے شکریے میں سلام کئے۔ دارا نے اپنی کمر سے تلوار کھولی اور نیابت کے نشان کے طور پر خان کی کمر سے باندھ دی۔ خان نے کورنش ادا کی اور گزارش کی۔

''غلام کی استدعا ہے کہ بارگاہ شاہ بلند اقبال اسی طرح برپا رہے۔ نشان کھلے رہیں اور مورچے قائم رہیں۔ صاحبِ عالم سپاہِ خاصہ کے ساتھ کوچ فرمائیں۔ مہابت خانی لشکر کے افواج شاہی کے مقامات پر مستعد ہوتے ہی افواج شاہی قسطوں میں رخصت ہوں تاکہ غنیم کے اچانک حملوں سے فتوحاتِ سابقہ محفوظ رہیں۔''

دارا نے اس دور اندیش مشورے کی تائید کی اور دربار برخاست کر دیا۔

چھوٹے چھوٹے راستے جو ہلکے رسالوں کے متحمل ہو سکتے تھے منتخب ہوئے اور دوپہر ہوتے ہوئے دارا پانچ ہزار سواروں کے ساتھ بظاہر شکار کے لئے سوار ہوا۔ اور ہاتھ پر باز بٹھا کر باگیں اٹھا دیں۔



شاہزادہ ایک ایک کوچ میں دو دو منزلیں لپیٹتا ہوا شاہجہاں آباد کی حدود میں داخل ہو گیا۔ سائے لمبے ہو چکے تھے۔ مغربی آسمان پر قرمزی بادلوں کی دھاریوں میں سرخ پوش سورج غروب ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ جیسے جشن کی روشنیوں میں جگمگاتی جمنا میں ظلِ سبحانی کا یاقوتی بجرہ کھڑا ہو۔ دور قطب کی عظیم الشان عمارتیں افق کی گود میں سر رکھے کھڑی تھیں۔ مقامی امراء اس بارگاہ کے سامنے پیشوائی کو حاضر تھے جو ولی عہد کی آمد کی اطلاع ملتے ہی برپا کر دی گئی تھی۔ بارگاہ کے اندرونی درجے میں ایک غلام دارا کی نیم آستین میں تکمے لگا رہا تھا دوسرا پٹکا باندھ رہا تھا کہ راؤ چھتر سال ہاتھ باندھ کر سامنے آیا۔ دارا نے بائیں ابرو کے اشارے سے عرض و طلب کی اجازت دی۔ راؤ نے گزارش کی۔

صاحبِ عالم جس شہر سے پورے قندھار کو روند ڈالنے کے یوگ لشکر لے کر نکلے ہوں اس شہر میں چند ہزار سواروں کے ساتھ داخل ہونا راج نیتی کے خلاف ہے یدھ جاری ہے لیکن ہماری جھولی میں وجے کی کوئی ایسی پونجی نہیں جسے مہابلی (شاہجہاں) کے چرنوں میں رکھا جا سکے۔ رعایا کی بھوکی آنکھوں کو دکھلایا جا سکے...... اس لئے نویدن ہے کہ صاحب عالم رات چڑھے سوار ہوں...... اور ہم لشکر پھیلا کر صبح ہوتے ہوتے شہر میں داخل ہوں۔ رعایا سمجھے گی کہ صاحب کی فوجیں رات سے داخل ہو رہی ہیں اور ابھی تک داخل نہیں ہو چکیں۔''

دارا نے گردن موڑ کر راجہ راج روپ اور رانا جگت کو دیکھا۔ دونوں نے ہاتھ جوڑ لئے۔ اور ایک آواز میں بولے ''راؤ کی رائے راج نیتی کے مطابق ہے۔''

لیکن دارا جو سر سے پاؤں تک محبت ہی محبت تھا اور غم سے پگھلا جا رہا تھا۔ چند گھڑیوں کی مزید تاخیر کے لیے تیار نہ ہو سکا۔ آہستہ سے بولا۔

''راؤ نے جو کچھ کہا ہے وہی ہمارے دماغ نے بھی ہم سے کہا تھا لیکن ہم دل کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ سیاست اور محبت دو سوتیلی بہنیں ہیں جن میں تم صلح نہیں کرا سکتے۔''

اور تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ دیا جو روانگی کا حکم تھا۔ اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہی ایڑ لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد شاہجہاں آباد کے نیم روشن اور آباد بازار اس کے گھوڑے کی ٹاپوں سے گونجنے لگے۔ قلعہ معلٰی کے قلعہ دار کو اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ باقاعدہ سلام کو حاضر ہوتا۔ لاہوری دروازے پر گھوڑے سے گرز برداروں اور خاص برداروں کو لے کر رکاب بوسی کی سعادت حاصل ہو سکی۔ وہ ہمیشہ کی طرح نوبت خانے پر اتر پڑا۔ دولت خانۂ خاص کی طرف پا پیادہ چلا۔ روشن راستوں کے دونوں طرف سے خواجہ سراؤں، چیلوں اور شمشیر زادوں کی مبارک بادیاں برس رہی تھیں۔ دیوانِ عام کے خاص باغ میں قدم رکھتے ہی مقرب خاں حاضر ہوا۔ قدم بوس ہو کر گزارش کی۔

''ظلِ سبحانی مثمن برج میں تشریف فرما ہیں۔''

زنگی خواجہ سراؤں کی تلواریں ہٹا کر بادشاہ بیگم آگے بڑھیں اور دارا کی پیشوائی کی۔ ایک فانوس کی مدھم روشنی میں سفید کشمیری چادر اوڑھے ظلِ سبحانی سو رہے تھے۔ اس نے آرام گاہ کی پائنتی کھڑے ہو کر سلام کئے پائے مبارک کو بوسہ دیا اور خاموش کھڑا شہنشاہ کا سفید چہرہ دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ اتنی قلیل مدت میں وہ کتنے ضعیف ہو گئے ہیں۔ پھر

خواجہ سرا انہیم نے گستاخی کی حد تک آ کر گذارش کی۔

''حمام تیار ہے۔''

لیکن وہ اسی طرح کھڑا رہا۔ آخر بادشاہ بیگم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ نگاہیں ملیں۔ بادشاہ بیگم اسے برج سے باہر لے گئیں۔ اور حکم دیا۔

''غسل کرو...... دستر خوان پر بیٹھو...... کہ صورت پہچانی جائے۔''

وہ بادشاہ بیگم کے حسن کی بیساکھیوں پر گھسٹتا ہوا اپنے محل کی طرف چلا گیا۔



قلعۂ معلّٰی سے مسجدوں، مسجدوں سے دیوان خانوں، دیوان خانوں سے بازاروں اور بازاروں سے ایک ایک چھت اور ایک ایک کان تک دارا کی نامراد واپسی کی خبریں حاشیوں کی خلعتیں پہن کر پھرنے لگیں۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ شاہزادے کی رکاب میں وہ جلیل الشان منصب دار نہ تھے جن کے نقاروں کی دھمک سے بارہ بارہ کوس تک کی زمین دہل اٹھتی تھی۔ زرکار جھولوں، سنہری عماریوں اور جڑاؤ چھتروں والے وہ مشہور عالم ہاتھی نہ تھے جن کی ٹھوکریں بڑے بڑے سورما غداروں کے خون سے رنگین تھیں۔ فولاد کے عفریتوں کی طرح سیکڑوں خچروں اور بیلوں کے کندھوں پر سوار وہ بھاری توپیں نہ تھیں جنھوں نے صدیوں پرانے پشتینی باغی دارالحکومتوں کو مٹی کے گھروندوں کی طرح توڑ پھوڑ کر پھینک دیا تھا۔ وہ طبوغ و علم نہ تھے جن کی پرچھائیں کے سامنے بڑے بڑے نامی بادشاہ اور مہاراجے گھٹنوں کے بل گر پڑتے تھے۔ تخت و تاج کے سائے میں پلے ہوئے وہ آزمودہ کار امراء نہ تھے جن کے سینے شاہی تمغوں سے زرد، پیٹھ ڈھال اور زخم کی تہمت سے پاک اور کمر دوہرے خنجروں سے مزین ہوا کرتی تھی۔ دارا کی سواری کا ان تمام متعلق اور منسوب خدم و حشم سے محروم ہو جانا کسی بھاری شکست کے مترادف تھا۔ ایسی شکست جو کبھی کسی ولی عہد کو نصیب نہ ہوئی۔ قندھار کو اورنگ زیب بھی چھین نہ سکا تھا۔ لیکن اورنگ زیب کی قندھار سے واپسی شاہجہان آباد کو یاد تھی۔ طبل بجاتے ہوئے اونٹوں کی قطاروں کے پیچھے نشان کے ہاتھی جن پر اورنگ زیب کے علم لہرا رہے تھے۔ ازبک شجاعوں کے پرے تھے جو

شیروں اور چیتوں کی کھال کے سینہ بند پہنے کمربندوں میں بھاری بھاری ننگی تلواریں لٹکائے پہاڑ ایسے گھوڑوں پر سوار چل رہے تھے جن کے پیچھے کھلے ہوئے چھکڑوں پر سیکڑوں ایرانی، المانی اور بدخشانی کنیزوں کے جھرمٹ تھے۔ جن کے چہروں سے ستارے روشنی اور پھول تازگی مانگتے تھے۔ ان کے ساتھ ماہر فن صناع اور فن کار غلاموں کا ازدحام تھا۔ پھر سپہ سالاروں کی سواریاں تھیں جن کے ناموں کی ہیبت قلعوں اور شہروں کو سر سواری فتح کر لیا کرتی تھی۔ ان کے پیچھے بلخ و بخارا غزنیں اور سمرقند کے باغی تھے جو لمبی عبائیں پہنے اور بھاری عمامے باندھے تھے۔ ان کے ہاتھ پشت پر چاندی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور جو گرفتار شیروں کی طرح جھوم جھوم کر چل رہے تھے۔ مذہب عماری پر فولاد کا لباس پہنے خود میں سیاہ عقاب کا پر لگائے متانت و شجاعت کا لبادہ اوڑھے مرصع چھتر لگائے بیٹھا تھا۔ ہاتھی کے چاروں طرف وہ نامی گرامی امراء پروانوں کی طرح اڑ رہے تھے جو اپنی زندگی میں افسانہ بن گئے تھے۔ پشت پر چھپنے ہوئے جھنڈوں، گھوڑوں، اونٹوں، ہاتھیوں اور توپوں اور خزانوں کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ اس شان و شکوہ، ہیبت و سطوت نے رعایا کے دل سے یہ بات نوچ کر پھینک دی تھی کہ شاہزادہ قندھار سے ناکام واپس ہوا ہے۔ وہ سپاہی جو دارا کی رکاب میں لڑے تھے دوکانوں، مکانوں اور خانقاہوں میں پہنچے۔ ان سے قندھار کے گرم موضوع پر گفتگو ہوئی۔ انھوں نے جو شکست کے چشم دید گواہ تھے اپنا دامن بچانے کے لئے ایرانی توپ خانے کی آتش باری کا قصیدہ پڑھا۔ یا اشارہ دیا کہ دشمن کا خفیہ نظام اتنا بہتر تھا کہ ان کا ایک آدمی شاہی توپ خانے کا تمام ساز و سامان برباد کر کے چلا گیا۔ ان دونوں باتوں کا عوام پر الٹا اثر ہوا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح شاہزادے نے جاتے ہی قندھار کے تین طرف پھیلے ہوئے سارے قلعوں کو فتح کر لیا تھا اور کس کس جتن سے قندھار پر جان لیوا دھاوے کئے تھے۔ لیکن اس پر کسی نے توجہ نہ دی۔ اس بات کو وہ شاہی اشتہار بازی سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے اور یقین کئے بیٹھے تھے کہ دارا قندھار کے کسی قلعے کی ایک اینٹ تک حاصل نہ کر سکا تھا۔ ثبوت صاف تھا اور موجود تھا۔ یعنی نہ لونڈی نہ غلام، نہ جھنڈے نہ علم، نہ توپ نہ تلوار، نہ اشرفی نہ روپیہ۔ دارا چند ہزار سپاہیوں کے ساتھ خالی ہاتھ واپس آیا تھا۔ مگر معاملہ یہیں تک رہتا تو بھی غنیمت تھا لیکن یہاں تک مشہور کیا گیا کہ مرزا راجہ جے سنگھ اور خان کلاں معظم خاں جیسے جلیل الشان سپہ سالار اپنی پوری فوجوں کے ساتھ کاٹ کر پھینک دیئے گئے۔ مہابت خاں...... ہندستان کا

سب سے بڑا اور بوڑھا سپاہی شاہزادے سے ناخوش ہو کر کابل چلا گیا۔ اور جب اس شکست فاش کی خبریں شہنشاہ کو ملیں تو برہم ہو کر شاہزادے کو واپسی کا حکم دیا اور اب شاہزادہ معتوب ہے، مجرا موقوف ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس غم نے ظلِ سبحانی کو پردہ پوش کر دیا۔ درشن جھروکہ تک میں بیٹھنا ترک کر دیا۔ کسی کو باریاب ہونے کی اجازت تک عطا نہیں ہوتی۔ یہ آخری دلیل سب سے مضبوط تھی۔



سعد اللہ خاں وزیر اعظم انتقال کر گیا اور شہنشاہ نے رائے رایاں رگھوناتھ راؤ کو وزارت عظمیٰ کا قلمدان سونپ دیا۔ میدانِ جنگ میں ہاتھ پر چڑھ کر فوجیں لڑانا اور سعد اللہ خاں کی مسند پر بیٹھ کر شاہجہاں جیسے نازک مزاج اور بوڑھے شہنشاہ کے سائے میں حکومت کرنا دو مختلف کام تھے۔ رائے رایاں ظلِ سبحانی کا تقرب نہ حاصل کر سکا۔ بیمار شہنشاہ کو سیاست کے نشیب و فراز سمجھا کر رعایا کے قریب نہ رکھ سکا۔ درشن جھروکہ خالی اور تخت طاؤس ننگا پڑا رہا۔

شاہجہانی مسجد کی پشت پر لکڑی کے ستون پھوس کی گول چھت اٹھائے کھڑے تھے۔ فرش پر جوٹ کی چٹائی بچھی تھی۔ لکڑی کے اونچے اونچے ڈیوٹوں پر کڑوے تیل کے چومکھے چراغ جل رہے تھے۔ ان کی ہلکی پیلی روشنی میں سرمد اپنی عریانی سے بے نیاز دو زانو بیٹھے تھے۔ اجڑی ہوئی چوڑی چکلی داڑھی لمبے سینے پر چھائی ہوئی تھی۔ دور دور بیٹھے ہوئے ابروؤں کے نیچے علم و عرفان کی آگ دہکتی ہوئی آنکھیں روشن تھیں۔ سامنے عقیدت مندوں کا حلقہ زرد کفنیاں پہنے مودب بیٹھا تھا کہ سامنے سڑک پر شور ہوا۔ سرمد اسی طرح جذب کے عالم میں بیٹھے خلا میں گھورتے رہے لیکن جواں سال مریدوں نے گردنیں موڑ موڑ کر دیکھا۔ دارا شکوہ ہاتھی سے اتر چکا تھا اور چوبداروں اور خاص برداروں کے جلو میں چھوٹے چھوٹے پر احترام قدم رکھتا آ رہا تھا۔ داخل ہونے سے پہلے اس نے جھک کر سلام کیا۔ مریدوں کے حلقے نے ٹوٹ کر اس کے لئے جگہ بنائی۔ وہ سینہ تک سر جھکائے آگے بڑھا اور دست بوسی کے لئے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے۔ سرمد نے زانو سے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے دے دیا۔ دارا نے بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور گھٹنے توڑ کر مریدوں کے حلقے میں بیٹھ گیا۔ ایک چوبدار

نے اشرفیوں سے بھرا ہوا تھال دارا کو پیش کیا۔ دارا نے کھڑے ہو کر وہ تھال سرمد کے سامنے رکھ دیا۔ سرمد نے اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور خادم کو اشارہ کر کے جلدی جلدی کہا۔

"بانٹو...... بانٹو...... ابھی بانٹو...... غریبوں میں بانٹو۔"

خادم وہ تھال لے کر باہر نکلا اور ادھر ادھر سے سمٹ آنے والے فقیر اشرفیاں لوٹنے لگے۔ پوری محفل دیر تک سکوت کے عالم میں بیٹھی رہی۔

پھر دارا اٹھ کھڑا ہوا۔ سینے پر ہاتھ باندھے اور عرض کیا۔

"میرے لئے دعا فرمایئے۔"

سرمد اسی طرح ساکت بیٹھے رہے۔ دارا کھڑا رہا۔ پھر سرمد نے اسے دیکھا کیا اور دھیمی آواز میں فرمایا۔

"بادشاہ فقیروں کی دعاؤں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔"

مریدوں کے ابرو اچک کر پیشانیوں تک چلے گئے۔ آنکھیں کانوں تک پھیل گئیں۔ دارا کا ہاتھی ابھی لاہوری دروازے سے دور تھا۔ لیکن وہ چوک جس کے طول و عرض میں چودھویں کے چاند کا سفر قید کر لیا گیا تھا، دارا شکوہ کی شہنشاہی کی بشارت سے گونجنے لگا۔

فتحپوری مسجد کے داہنے ہاتھ پر لب سڑک سنگ سرخ کی ڈیوڑھی کے چوڑے چکلے سفید اونٹوں پر دربان اونگھ رہے تھے۔ دوشاخوں کی روشنی میں ان کے ہتھیار سو رہے تھے۔ تانبے کے بدقلعی لانبے لانبے گلاسوں سے بھنگ کی بو اٹھ رہی تھی۔ کھردرے سرخ فرش پر پڑے ہوئے مٹھائی کے دونے کو ایک کتا سونگھ رہا تھا۔ ڈیوڑھی کے اندرونی صحن میں مردنگ روشن تھے۔ کھردرے بھورے صحن کے پار اونچے چبوترے کی سیڑھیوں کے پاس مسلح خواجہ سراؤں کا جھرمٹ کھڑا تھا۔ دوہرے دالان کے اگلے درجے کی محرابوں میں ہلکے ریشمی پردوں سے اندر کی تیز روشنیاں چھن چھن کر آ رہی تھیں۔ اندرونی درجے میں پردوں کے پیچھے سرخ گول قالین پر بھاری جھاڑ کے ٹھیک نیچے طناز مجرا کر رہی تھی۔ اس کے سامنے دالان کے داہنے بازو پر نیچے نیچے پانچ دروں کا اونچا دالان تھا جس کے بھڑکیلے پردے بند تھے۔ بیچ کے در میں اورنگ زیب کا درباری وکیل نواب عیسیٰ بیگ مسند سے لگا بیٹھا تھا۔ اس کے سفید اطلسین جامے پر طلائی کمر پٹکے میں جڑاؤ خنجر لگا تھا۔ ترشی ہوئی لبوں اور گول خشخشی داڑھی سے نجابت و نفاست ٹپک رہی تھی۔ سیاہ پٹے ایک کان سے دوسرے

کان تک نیم دائرہ بنائے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے سنگ زرد کی چھوٹی سی چوکی پر کاغذات ڈھیر تھے۔ پشت پر دو کم سن خواجہ سرا حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ طناز کے پیچھے سازندے اپنے ساز بجا رہے تھے اور کندھے اچک رہے تھے۔ گردنیں ٹھمک رہی تھیں اور طناز ناچ رہی تھی۔ بھاری گھیردار پشواز میں اس کا کندنی نازک جسم بل کھا رہا تھا۔ سفید گول، سبک ٹخنوں پر کسے ہوئے روپہلے گھنگھرو چھنک رہے تھے۔ ایک خواجہ سرا نے حاضر ہوکر نواب کے کان میں کچھ کہا۔ چونک کر گردن اٹھائی۔ داہنے ہاتھ کو سیدھا کیا۔ طناز اپنے سازندوں کے ساتھ پردہ اٹھا کر باہر چلی گئی۔ پھر ایک پستہ قد منحنی سا آدمی اندر آیا۔ سلام کے جواب میں اجازت پا کر بیٹھ گیا۔ اشارہ پا کر آنے والے نے آہستہ سے گلا صاف کیا اور بولنے لگا۔ ظلِ سبحانی کی علالت مایوسی کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ ولی عہد نے سلطنت کو غصب کر لینے کا منصوبہ بنالیا ہے۔ خان کلاں (منعم خاں) مہاراجہ (جسونت سنگھ) اور مرزا (جے سنگھ) بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ دارالحکومت میں داخل ہونے والے ہیں۔ حکیم احسن اور حکیم راحت نظر بند کر دیئے گئے ہیں تاکہ شہنشاہ کی بگڑی ہوئی حالت کو چھپایا جاسکے۔'' وہ چپ ہوگیا۔ نواب عیسیٰ بیگ نے زانو پر رکھی ہوئی پیچوان کی نے اٹھا کر قالین پر پھینک دی۔ اور خواجہ سرا کی طرف دیکھے بغیر حکم دیا۔

''کاتب کو طلب کرو...... ہرکاروں کو تیار ہونے کا حکم دو۔''

آدھی رات کی توپ چل چکی تھی۔ چاند اپنے ''نشیمن'' میں ظلِ سبحانی کی طرح سیاہ بادلوں کے الوان اوڑھے پڑا تھا۔ سارے ان گنت منصب داروں کی طرح زرکار لباس پہنے مغل اقبال پر چھائی ہوئی بھاری رات کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ظلِ سبحانی کی مسلسل خدمت اور شب بیداریوں سے چور جہاں آرا اپنے دولت خانۂ خاص میں طلائی کرسی پر بیٹھی تھی۔ سوچتے سوچتے پیشانی پر لکیریں جم گئی تھیں۔ سرخ ہونٹوں کے دونوں طرف سرمئی اعراب گہرے ہوگئے تھے۔ جاگتے جاگتے آنکھوں میں کٹے ہوئے موتیوں کی آب دھندلا گئی تھی۔ دولت خانے کی لمبی چوڑی بلند سطح کرسی کے نیچے چاروں طرف وفادار خواجہ سراؤں کی تلواریں پہرہ دے رہی تھیں۔ بادشاہ بیگم کے سامنے مضمحل اور افسردہ داراشکوہ بیٹھا تھا۔ جہاں آرا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہمارا اب بھی یہی مشورہ ہے کہ اٹھو...... تاج پہن کر تخت طاؤس پر جلوس کرو۔

منصب داروں کی نذریں قبول کرو...... خلعتیں عطا کرو...... اور سلطنت کو پارہ پارہ ہونے سے بچالو۔''

''تخت و تاج کی قسم ہمارا دل کہتا ہے کہ ظلِ سبحانی صحت یاب ہوں گے۔ اور جب یہ ساعت فرمائیں گے کہ ان کی اس اولاد نے جس کو انھوں نے سب سے زیادہ چاہا...... بے پناہ نعمتوں سے نوازا، اس اولاد نے ان کی علالت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تاج پہن لیا تو ان کے دل پر جو شفقت و رحمت کا دریا ہے کیا کچھ گزر جائے گی...... میری اس حرکت کا یہ نتیجہ تو نہ ہوگا بادشاہ بیگم کہ باپ اپنے بیٹوں سے محبت کرنا چھوڑ دیں۔''

''ہم تم کو یقین دلاتے ہیں کہ جب ظلِ سبحانی انشاء اللہ صحت یاب ہوں گے اور ''جشن مہتاب'' برپا ہوگا تو ہم ان کے حضور میں سیاست کے اسرار و رموز پیش کریں گے اور تمہارے لئے معافی نامہ ہی نہیں مزید شفقت و محبت مانگ لیں گے۔''

''لیکن بادشاہ بیگم......''

''چوالیس برس کی اس طویل زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ جہاں آرا نے ظلِ سبحانی سے کچھ مانگا ہو اور عطا نہ ہوا ہو۔ ہمارے تقربِ شاہی اور شہنشاہ کی رحمت بے پایاں پر بھروسہ کرو۔ تلوار پر گرفت مضبوط کرو اور وقت کے حکم کی تعمیل کرو۔''

''داراشکوہ تخت طاؤس کی حفاظت کے لئے اپنی جان دے سکتا ہے۔ لیکن ظلِ سبحانی کی زندگی میں اس کی حرمت کو اپنے قدموں سے برباد نہیں کرسکتا۔''

''اس کا انجام جانتے ہو دارا؟''

اس کا انجام یہ ہوگا کہ اس عظیم الشان سلطنت کے امیر و وزیر جو تخت و تاج کی غلامی کو عبادت جانتے ہیں۔ تخت و تاج کے اوجھل ہوتے ہی اس مقدس اور زریں طوق کو گردن سے اتار کر رکھ دیں گے اور شاہزادہ سوم کے دام میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اور خدانخواستہ خاکم بدہن مغل تاریخ دوسرے اکبرِ اعظم سے محروم ہو جائے گی۔ یہ سچ ہے کہ ہم نے ایک عورت کا دماغ پایا ہے۔ لیکن اس دماغ کی تربیت ہندوستان ہی کے نہیں دنیا کے تین عظیم المرتبت شہنشاہوں نے کی ہے۔ ہماری سیاہی بصیرت، جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہی ہے جس طرح ان جھاڑوں کی روشنی میں تم ہم کو دیکھ رہے ہو۔''

''ہم اسی بارۂ خاص میں آپ کا مشورہ چاہتے ہیں۔''

"تو سنو......مراد بھولا ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ اورنگ زیب کا شکار ہو جائے۔ شجاع عیاش اور جاہ طلب ہے اس لئے امکان ہے کہ مفسدوں کی کارستانی اور نشے کی ترنگ کام کر جائے اور خود اورنگ زیب اس دکن کا تقریباً فرماں روا ہے جو کئی سلطنتوں پر مشتمل ہے اور اس کی رکاب میں وہ آزمودہ کار لشکر اور بھاری توپ خانہ ہے جو تمام دکن کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔"

"یعنی اورنگ زیب کا زہریلا دانت وہ شاہی لشکر ہے جو واپس بلایا جا سکتا ہے اور اس کو بے ضرر بنایا جا سکتا ہے۔"

"ہاں......لیکن وہ اس زہریلے دانت کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگا دے گا۔"

"رہا دارالخلافہ......تو خدا کرے میرا خیال باطل ہو......لیکن میرا خیال ہے کہ ولایتی امیروں پر تم سے زیادہ اورنگ زیب کا اثر ہے۔ راجپوتوں پر تم حاوی ہو۔ بڑی تعداد ایسے امیروں کی ہے جو ترازو کے جس پلڑے کو جھکتا پائیں گے اسی پر بیٹھ جائیں گے...... تاہم اگر تم تاج پہن لو تو امیروں کی بڑی تعداد ولی عہدِ سلطنت اور مہین پورِ خلافت کی رکاب میں تلوار چلانے کو سیاسی عبادت خیال کرے گی۔"

دیر تک سکوت رہا۔ پھر دارا نے پہلو بدلا۔ بادشاہ بیگم کھڑی ہو گئیں۔ دارا کورنش کے لئے جھکا تو دعا دی۔ "خدا تمہیں اورنگ زیب کے فساد سے محفوظ رکھے۔"

دارا اپنے محل میں داخل ہوا تو خواجہ سرا فہیم نے عرض کیا۔

"امراء دست بوسی کو حاضر ہیں۔"

وہ انھیں قدموں دیوان خانۂ حکومت پہنچا۔ امیر الامراء نواب خلیل اللہ خاں، خان کلاں معظم خاں، مہاراجہ مرزا جے سنگھ نے کورنش ادا کی۔ وہ تخت پر دو زانو بیٹھ گیا۔ مہاراجہ داہنے ہاتھ پر امیر الامراء اور خان کلاں بائیں ہاتھ پر مودب بیٹھ گئے۔ معتبر خواجہ سرا اپنی اپنی جگہوں پر دست بستہ کھڑے تھے۔ دارا کے ہاتھ کی جنبش پر خواجہ سرا فہیم تخت کے سامنے رکوع میں کھڑا ہو گیا۔

"قرآن پاک اور گنگا جلی۔"

حاضرین نے ایک دوسرے کو گوشۂ چشم سے دیکھا۔ ایک خواجہ سرا نے چاندی کی چوکی تخت کے پہلو میں لگا دی۔ فہیم نے قرآن پاک کے پاس گنگا جل کی سنہری چھاگل رکھ دی۔ دارا نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ خواجہ سرا باہر چلے گئے۔ دارا نے ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھا۔ دھیمی اور اٹل آواز میں بولا۔

"سلطنت کو اگر ایوان مان لیا جائے تو امراء اس کے ستون ہوتے ہیں۔ خیر خواہ امیروں سے حکومت کے راز چھپانا آئین سیاست کے خلاف سمجھا گیا ہے اسی لئے وقت خاص میں آپ کو طلب کیا گیا ہے...... جہاں پناہ کی علالت خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔ مصلحت کا تقاضہ ہے کہ رعایا سے اس خبر کو محفوظ رکھا جائے۔ اس لئے محفوظ رکھی گئی۔ لیکن چپے چپے پر اورنگ زیب کے جاسوس لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم نے مناسب خیال فرمایا کہ قبل اس کے کوئی فتنہ سر اٹھائے اس کے سدِ باب کا انتظام کر دیا جائے۔ دنیا جانتی ہے کہ ظلِ سبحانی نے ہم کو ولی عہد مقرر فرمایا۔ اعزازات و مناصب میں دوسرے بھائیوں پر فضیلت عطا کی۔ اس لئے ہم پر یہ قانونی فرض عائد ہوتا ہے کہ جب تک ظلِ اللہ صحت یاب نہیں ہوتے ہم امور جہاں بانی کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں اور جب خدا شہنشاہ کو تخت طاؤس پر بیٹھنا نصیب کرے تو ہم یہ امانت ان کے مبارک قدموں میں رکھ دیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اورنگ زیب دکن کی فتوحات پر متعین قہار لشکر اور تباہ کن توپ خانے کا مالک ہے۔ بڑے بڑے سردار اس کی رکاب میں ہیں۔ اور سلطنت کا سودا اس کے سر میں۔ ظلِ سبحانی کی علالت نے اسے شیر کر دیا اور اس نے باغیانہ دارالحکومت کی طرف حرکت کی تو۔"

"دربار کے سورماؤں کی تلواریں موت بن کر راستہ روک دیں گی۔"

مہاراجہ مرزا نے تیور بدل کر لقمہ بدل دیا۔

"ہم کو آپ کی رفاقت پر بھروسہ ہے لیکن تخت و تاج کی لڑائیوں کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ دل کو بے قرار رکھتی ہے۔"

دارا نے یہ کہہ کر مسند سے پشت لگالی اور پیچوان کی مہنال اٹھالی۔

دوہرے بدن اور اونچے قد کا مہاراجہ مرزا کھڑا ہو گیا۔ معلوم ہوا جیسے مندیل کا جیغہ زریں فانوس سے ٹکرا گیا۔ داہنا ہاتھ چھاگل اور بایاں ہاتھ تلوار کے جڑاؤ قبضے پر رکھ کر گنگا کی لہروں کی طرح پاک اور پرشور آواز میں گرجا۔

"ماتا کی پوتر تا کی سوگند چن دیتا ہوں کہ شاہِ بلند اقبال کے حکم پر اپنی اور اپنی آل اولاد کی جان نچھاور کر دوں گا۔"

پھر خان کلاں اٹھا۔ صحیفۂ آسمانی پر ہاتھ رکھا اور قسم کھائی۔

''صاحبِ عالم کے حکم کی حرمت پر اپنی جان قربان کردوں گا۔''

آخر میں امیرالامراء نواب خلیل اللہ خاں نے قول دینے کی رسم ادا کی۔ سب مستقبل کے اندیشوں میں گلے گلے تک ڈوبے بیٹھے تھے۔ کسی کو زبان کھولنے کا یارا نہ تھا کہ آواز بلند ہوئی۔

''امیرالامراء!''

''صاحبِ عالم۔''

''آپ خان کلاں کے ساتھ جایئے اور وزیرِ اعظم کو اپنے ہمراہ لایئے۔''

امیرالامراء کے باہر نکلتے ہی دارا نے راجہ میرزا کو مخاطب کیا۔

''آپ کا امیرالامراء کے متعلق کیا خیال ہے؟''

راجہ میرزا نے ابرو سمیٹ کر تامل کیا۔ پھر وہ مشہور جواب دیا جو مختلف تاریخوں کے مختلف زمانوں میں اکثر دوہرایا گیا ہے۔

''امیرالامراء کا دل آپ کے ساتھ ہے اور تلوار اورنگ زیب کے ساتھ۔''

دارا مسند پر کہنیاں ٹیکے بیٹھا رہا اور آہستہ آہستہ سر ہلاتا رہا۔

''اور وزیرِ اعظم؟''

''وزیرِ اعظم سپاہی ہے۔ تلوار کی طرح زبان کا بھی دھنی ہے۔ جو کہے گا وہ کر گزرے گا۔''

دارا سوچتا رہا۔ پھر چوبدار نے گزارش کی۔

''رائے رایاں رگھوناتھ رائے دردِ دولت پر حاضر ہیں۔''

''باریاب ہوں۔''

رائے رایاں، امیرالامراء اور خان کلاں کے ساتھ ننگے پاؤں داخل ہوا۔ نگاہ اٹھتے ہی کورنش ادا کی اور حکم پا کر تخت کے سامنے دونوں زانوں توڑ کر بیٹھ گیا۔

''وزیرِ اعظم کی بے نا وقت طلبی ہم کو پسند نہ تھی لیکن۔''

''غلام حکم کا تابعدار ہے صاحبِ عالم۔''

''اطلاع ملی ہے کہ امیر علی عادل کی سرکوبی مکمل ہو چکی ہے۔ اس لئے خانِ

دوراں نجابت خاں، راجہ بکرماجیت، منعم خاں اور رانا درگا سنگھ کو فرمان بھیجے جائیں کہ اپنے لشکروں کے ساتھ دارالحکومت میں حاضر ہوں۔''

''جو حکم'' رائے رایاں نے ہاتھ جوڑ کر حکم کی تعمیل کا اقرار کیا۔

''شہر پناہ کے دروازوں پر پہرہ سخت کردیا جائے۔ روشناسوں کو باہر نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اور اورنگ زیب کے وکیل نواب عیسیٰ بیگ پر نظر رکھی جائے۔''

پھر وزیرِ اعظم کے ساتھ دوسرے حاضرینِ دربار کو بھی رخصت کردیا۔



نواب عیسیٰ بیگ کی ڈیوڑھی پر بادشاہی سپاہی پانچوں ہتھیار لگائے کھڑے تھے۔ اندر جانے والوں کو روک رہے تھے اور باہر آنے والوں کی تلاشی لے رہے تھے۔ دوپہر کا گجر بجتے ہی ہٹو بچو کا شور ہوا۔ شاہزادی روشن آرا کا داروغہ خواجہ سرا نیلم بھاری لباس پہنے چاندی کا وہ عصا تھامے جس کے سر پر سونے کا عقاب بنا تھا، سامنے آیا۔ اس کے پیچھے حبشی غلاموں کی قطار سروں پر خوان اٹھائے تھی۔ ایک سپاہی نے ٹوکا۔

''شاہی حکم ہے، کوئی اندر نہیں جا سکتا۔''

نیلم نے تنک کر سپاہی کو دیکھا ایک جھوٹی ٹھنڈی سانس بھری اور مٹک کر بولا۔

''ارے واہ طرم خاں...... ہماری ہی بلی اور ہمیں سے میاؤں...... شاہی حکم، سواروں پیادوں کے لئے ہے کہ ''تورے'' کی قابوں پر بھی پہرے بیٹھ گئے ہیں۔''

پھر اس نے اپنے غلاموں کو بھی حکم دیا۔

''رکھ دو زمین پر خوان چاہے کتے بھنبھوڑیں۔ چاہے بلی کھائیں ـــ ہماری بلا سے۔ کوئی ہمارے پوت کی کمائی ہے کہ رونے بیٹھیں۔''

سپاہیوں کا افسر سیدھا سادا راجپوت تھا۔ کھڑا ہتھیلی پر تمباکو مل رہا تھا۔ چٹکی منہ میں داب کر گرجا۔

''ارے کہاں صاحب لے جاؤ تم اپنے کھوان...... یہ تو ٹھٹھول کر رہا تھا۔''

نیلم نے سنی ان سنی کر کے اسی سپاہی کو نشانہ بنایا۔

’’آدمیوں کو گن لو اور چاہو تو تصویریں اتار لو۔ جب لوٹیں تو ملا لینا، اور ہاں، قابیں کھول کر دیکھ لو...... کہیں ہاتھی، گھوڑے، توپیں، زنبوریں نہ بند ہوں۔‘‘

سپاہی مسکراتے رہے اور نیلم کے ساتھ تمام خوان اندر چلے گئے۔

نواب نے خواجہ سرا سے دیوان خانے کے اندرونی درجے میں ملاقات کی۔ غلام خوان رکھ کر الٹے پاؤں چلے آئے۔ نواب نے خواجہ سرا سے سرگوشیاں کیں اور رخصت کر دیا۔

پھر قابیں کھولیں۔ بانس کے زرد کاغذ پر خطِ جلی کی کتابت دور سے چمک رہی تھی۔ ایک ایک قاب کے پرچے قالین پر ڈھیر کر دیئے گئے۔ پھر ملازمین کی ایک قطار نے ان پرچوں کے پیکٹ بنائے۔ اور یہ پیکٹ موم جاموں میں بند کر دیئے گئے اور حلال خوروں کے ٹکڑوں اور بھشتیوں کی مشکوں میں رکھ ڈیوڑھی سے نکال کر منصوبے کے مطابق ان آدمیوں تک پہنچا دیئے گئے جو منتظر تھے۔ دوسری صبح ایسا ہی ایک پرچہ جامع مسجد کی دیوار سے اتار کر کوتوال شہر کے سامنے پیش کیا گیا۔ مضمون تھا۔

خطرہ

جو ہندوستان کی خلافت اسلامیہ کے سر پر منڈلا رہا تھا آج سونتی ہوئی تلوار کے مانند سامنے آ گیا ہے۔ ظل اللہ کا چراغ حیات جھلملا رہا ہے اور شاہزادۂ بزرگ (داراشکوہ) جس کو نماز سے نفرت، روزے سے عداوت، حج سے بغض اور زکوٰۃ سے کد ہے شہنشاہی کے منصوبے بنا رہا ہے۔ تخت طاؤس پر وہ شخص اپنے ناپاک قدم رکھنے والا ہے جو خدا کا منکر اور رسول اللہ کی رسالت کا انکاری ہے۔ جو پربھو کے نام کی آرسی انگوٹھی اور مکٹ پہنتا ہے۔ بظاہر یوگیوں اور سنتوں کا مداح ہے لیکن بباطن راجپوتوں کی تلواروں کا سہارا لے کر ہندوستان جنت نشان سے اسلام کو خارج کر دینے کا منصوبہ بنا چکا ہے۔

برادرانِ اسلام!

ہندوستان کے قاضیانِ عظام اور مفتیانِ کبار کا فتویٰ ہے کہ ایسے شخص کے خلاف تلوار اٹھانا جہاد ہے، جہاد اکبر ہے۔ آج تمہاری عبادت تہجد کی نمازوں اور نفل کے روزوں میں نہیں گھوڑوں کی رکابوں اور تلواروں کے قبضوں میں محفوظ ہے۔ شیروں کی طرح اٹھو اور کفر پر اس کا دروغ ثابت کر دو۔ کاغذ کے اس پرچے نے اپنے عہد کی سب سے بڑی سلطنت

کا دل ہلا دیا۔ خانقاہ سے دربار اور دربار سے بازار تک ایک ایک چپے نے اس زلزلے کا جھٹکا محسوس کیا۔ خواجہ سرا عنبر نے جب یہ پرچہ بادشاہ بیگم (جہاں آرا) کے حضور سے گزارا تو وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئیں۔ اتنی بار پڑھا کہ عبارت حفظ ہو گئی۔ اسی وقت شاہ بلند اقبال (دارا) کو یاد کیا۔ دارا جو اکبر اعظم کی بنائی ہوئی عمارت میں چاند سورج ٹانگنا چاہتا تھا۔ اس حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ بادشاہ بیگم کا پیام سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

بادشاہ بیگم نے بھائی پر نگاہ کی۔ وہ رات کے ملے دلے کپڑوں پر نیم آستین پٹکہ اور مندیل پہن کر چلا آیا تھا۔ چہرے پر فکر کا منحوس سایہ کانپ رہا تھا۔

بادشاہ بیگم دلیوں کی سی پاک، مضبوط اور تسکین آفرین آواز میں مخاطب ہوئیں۔

’’جائز بادشاہ کو تخت پر بیٹھنے سے روکنا آسان ہے لیکن ناجائز بادشاہ کے نیچے سے تخت گھسیٹ لینا مشکل ہے...... مشکل ہے۔‘‘

دارا نے چونک کر بادشاہ بیگم کو دیکھا۔ وہ اسی طرح دارا کی نگاہوں سے بے نیاز بولتی رہیں۔

’’عزیز از جان نے ہمارے ایک قیمتی مشورے کی قدر نہ کی لیکن ہماری خاطر میں ملال نہیں اس لئے کہ عزیز از جان نے باپ کی محبت پر بہن کی بصیرت کو قربان کر دیا۔‘‘

’’داراشکوہ بابا۔‘‘

’’جی۔‘‘

’’آج کون دن ہے؟‘‘

’’جمعہ۔‘‘

’’مبارک ہو...... داراشکوہ بابا کو مبارک ہو...... سلطنت مبارک ہو۔‘‘

بادشاہ بیگم نے اپنے دونوں ہاتھ دارا کے شانوں پر رکھ دیئے۔

’’ہماری پریشاں خیالی کچھ سمجھنے سے قاصر ہے۔‘‘

’’اٹھو...... غسل کرو...... خلعت فاخرہ زیب تن کر کے ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں کی سواریٔ خاص پر سوار ہو کر جامع مسجد میں ورود فرماؤ...... صاحبقران ثانی کی صحت کی دعا مانگ کر رعایا کو خطاب کرو اور شاہزادہ سوم کے خطرناک منصوبوں کو خاک میں ملا دو۔‘‘

دارا اسی طرح بادشاہ بیگم کو گھورتا رہا۔

"کوتوال شہر کو حکم دو کہ سازش کی تحقیقات کرے۔ مجرموں کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ منادی کرادی جائے کہ جس شخص کے پاس سے یہ چیتھڑا برآمد ہوگا اسے سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔ جس زبان سے یہ الفاظ ادا ہوں گے اسے تراش لیا جائے گا۔"

"سلطنت شراب کا شیشہ نہیں ہوتی جسے چند فسادی ویران مسجد کے صحن سے پتھر چن کر چکنا چور کر ڈالیں۔"

ظلِ سبحانی کی علالت کے زمانے میں پہلی بار غسل خانے کے داروغہ نے اس خاص عمارت کی کرسی پر کھڑے ہوئے گرز برداروں کا پہرہ ہٹایا جسے صرف شہنشاہ استعمال کرتا تھا۔ سنگ مرمر کی مرصع نہر معطر پانی سے لبریز ہوگئی۔ مطلی فوارہ آبِ بہشت سے اچھلنے لگا۔ غلام ابھی جامے کے تکمے لگا رہے تھے کہ رائے رایاں رگھوناتھ راؤ کی درخواست باریابی موصول ہوئی۔ اشارے پر خواجہ سرا بسنت پیشوائی کو بڑھا۔ رائے رایاں کورنش ادا کرکے دست بستہ کھڑے ہوگئے۔ دارا کی نگاہ اٹھتے ہی دو دو شہنشاہوں کی بساطِ سیاست کے تجربہ کار بوڑھے شاطر نے گزارش کی۔

"شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دانا بادشاہ ان مسئلوں کو جنبشِ ابرو سے حل کر دیا کرتے ہیں جنھیں بے وقوف بڑے بڑے لشکروں سے سلجھا نہیں پاتے۔"

"رائے رایاں قول کی وضاحت کریں۔"

"صاحب عالم کے خلاف مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو اکسا دیا گیا ہے۔ شاہجہاں آباد سے اکبرآباد تک کی ایک ایک مسجد میں ہندو پرست ولی عہد کے خلاف مجاہدین کی تلواریں تیز ہو رہی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حکم ملتے ہی شاہی لشکر انھیں اس طرح پیس کر ڈال دے گا جیسے ہاتھی گنے کے کھیت کو روندتا ہے۔ لیکن سیاست کا تقاضہ اور اس بندۂ درگاہ کا مشورہ ہے کہ صاحبِ عالم آج اپنے لباس کے وہ پرانے جواہرات جن پر شیو کی تصویر، وشنو کی شبیہہ بنی ہے اور پربھو کے الفاظ کندہ ہیں، زیب تن نہ فرمائیں۔ ان کی جگہ ایسے جواہرات استعمال فرمائیں جن پر......"

"رائے رایاں!...... تم داراشکوہ کو دربار کا مسخرہ سمجھتے ہو؟ جو چند جگمگاتے انعاموں کی خاطر گرگٹ کی طرح ایک وقت میں دس رنگ بدل سکتا ہے؟

ظلِ سبحانی نے بابدولت کو ولی عہد نامزد فرمایا ہے، ہمیں پورخلافت کا خطاب عطا کیا ہے۔ اس لئے بابدولت سلطنت کو اپنا حق خیال فرماتے ہیں۔ ورنہ یہ تو تختِ طاؤس ہے۔ دنیا اگر تخت سلیمانی بچھادے تو بھی داراشکوہ اپنے اصولوں کی بھینٹ چڑھا کر اس پر جلوس فرمانا کسرِ شان خیال فرمائے گا۔"

"غلام اس جسارت کے لئے معافی چاہتا ہے۔"

رائے رایاں نے جیغۂ زریں اور مالائے مروارید سے مرصع مندیل جھکا دی۔

"ہم تمہاری مصلحت کوشی اور سیاسی دوربینی کی داد دیتے ہیں لیکن یہ دونوں ولایتیں اورنگ زیب کو مبارک ہوں۔ ہمارے لئے حق، اصول اور وضعداری کا شاہجہاں آباد کافی ہے۔"

بازوؤں پر وہ جوشن آراستہ کئے گئے جن کے مرکزی ہیروں پر سنسکرت میں برہما کے الفاظ کندہ تھے۔ کمر میں وہ مرصع پٹکہ باندھا جس کے قلب میں شیو کی مورتی رکھی تھی۔ گلے میں وہ جگنو پہنا جس کے انڈے کے برابر یاقوت پر شیو ناچ رہے تھے۔ شعلوں کی طرح جگمگاتی پگڑی سر پر رکھی اور باہر نکل آیا۔ دراز قد اور دوہرے قسم کے اوزبک گرز بردار سبز اطلس کے جامے پہنے، سبز مندیلوں پر سنہرے طرے لگائے سونے چاندی کے گرز لئے اس کی پشت پر چلے۔ نوبت خانے پر بڑے بڑے میرزاؤں، خانوں اور سنگھوں کے حلقے میں "فلک سیر" نامی سفید شاہجہانی گھوڑا موتیوں کا ساز پہنے کھڑا تھا۔ تسلیمات قبول کرکے رکاب میں پاؤں رکھا۔ لاہوری دروازے سے جلیل القدر امیر اور نواب اور راجے اپنی سواریوں پر سوار ہوگئے۔ راجہ ترپت سنگھ نے زرد کم خواب کے مرصع چھتر کی زریں ڈانڈ اٹھالی۔ نشان کے ہاتھی طوغ اڑاتے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے۔ پشت پر نقارے گرج رہے تھے اور شاہزادے کے معزز در علم لہرا رہے تھے۔ سواری کے دونوں بازوؤں پر اشرفیوں اور روپیوں کے تھال تھے جو دعائیں دیتے ہوئے محتاجوں اور فقیروں میں لٹ رہے تھے۔ جامع مسجد کا طواف کرتی ہوئی سڑک سواریوں سے چھلک رہی تھی۔ ہر چند ایک پہر دن چڑھے سے یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ ولی عہد جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لانے والے ہیں۔ تاہم کسی کو یقین نہ تھا۔ نقاروں کی آواز سن کر دالانوں میں بیٹھے ہوئے نمازیوں نے گردنیں موڑ موڑ کر دیکھا۔ جب شاہجہاں کا مشہور محبوب گھوڑا کھڑا ہوگیا اور دارا سیڑھیاں چڑھنے لگا تو لوگوں کی نگاہیں سرگوشیاں کرنے لگیں۔ کئی سو راجپوتوں کا مسلح دستہ ننگی تلواریں لئے دروازوں

پر کھڑا رہا۔ کئی سو ازبک اور مغل محافظ اپنے لانبے ڈھیلے لباسوں کے نیچے ہتھیار پہنے دارا کے ساتھ جگہ بناتے ہوئے مقصورہ کے گرد پھیل گئے۔ سبز مخمل کا شاندار شامیانہ چاندی کے ستونوں پر کھڑا تھا۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی مخملیں جانمازوں پر قیمتی لباسوں اور رعب دار عماموں، صافوں، مندیلوں اور پگڑیوں کی قطاریں نظر آتی تھیں۔ آرام و آسائش، آسودگی اور طمانت کے غماز چہروں پر نفاست سے ترشی ہوئی سیاہ، سفید، سرخ اور کھچڑی داڑھیاں پوری متانت اور شوکت سے بیٹھی ہوئی تھیں۔۔ چرمیں، پشمیں اور زریں کمربندوں میں آبنوس، ہاتھی دانت، سیپ، چاندی اور سونے کے دستوں کے پیش قبض جگمگا رہے تھے۔ چھت پر جواہر نگار جھاڑ چمک رہے تھے۔ طاقوں پر رکھی ہوئی انگیٹھیوں میں عود وعنبر سلگ رہا تھا۔ خدام گلاب پاش ہاتھوں میں لئے خدمت پر مامور تھے۔ پھر مقصورے کے سامنے کھڑے ہو کر قاضی القضاۃ نے اعلان کیا۔

"مہین پور خلافت، ولی عہد سلطنت شاہ بلند اقبال سلطان داراشکوہ اپنی رعایا کو تخاطب کا شرف عطا کر رہے ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ رعایا ارشاداتِ عالیہ کو گوشِ دل سے سماعت کرے گی اور خلوصِ قلب سے عمل کرے گی۔"

پھر داراشکوہ کی طرف سر جھکایا۔

"صاحب عالم منبر پر رونق افروز ہوں۔"

داراشکوہ منبر پر کھڑا ہوا۔ نمازیوں پر نگاہ ڈالی۔ نمازیوں نے ایک ہی نظر میں جوشن، جگنو، کمربند اور انگوٹھیوں کے نقش دیکھ لئے اور پڑھ لئے۔ زرد جامے اور زرد مندیل کے معنی بھی سمجھ لئے۔

"لوگو!

انسان پر دو قسم کے فرائض عائد کئے گئے ہیں۔ ایک وہ جو اس کے اور پروردگار کے مابین ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو اس کے اور دوسرے انسانوں کے درمیان۔ خدا کے حقوق کی ادائیگی کا پیمانہ وہ عبادات ہیں جن کا مذہب نے حکم دیا ہے۔ سماج کے حقوق کی ادائیگی کا اظہار ہمارے وہ اعمال ہیں جو ہم اپنی مدنی زندگی میں انجام دیتے ہیں۔ جہاں تک خدا کے حقوق کے ادا کرنے اور یا نہ کرنے کا سوال ہے تو ہمیں چاہئے کہ ایسے انسان کو جو خدا کے حقوق ادا نہیں کرتا خدا ہی کو سونپ دیں۔ اسے خدا کے حوالے کر دیں جو رحیم و کریم

بھی ہے اور جبار و قہار بھی۔ اب رہے دوسرے قسم کے حقوق...... جن کی ادائیگی کا تعلق جماعت کی مدنی زندگی سے ہے تو ہمارا، جن کے ہاتھوں میں جماعت کے انتظام و انصرام کی عنان ہے، فرض ہے کہ ان کی ادائیگی کی نگرانی کریں۔ جو ہم کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یعنی اگر ایک شخص نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا تو ہم اس پر حد نہیں لگاتے اس لئے کہ خدا خود اپنا حساب چکا لے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص شراب پی کر فساد کرتا ہے اور جماعت کی مدنی زندگی میں خلل انداز ہوتا ہے۔ یا زنا کرتا ہے اور ایک دوسرے انسان کی مدنی زندگی کو غارت کرتا ہے تو ہم اس کا مواخذہ کرتے اور سزا دیتے ہیں۔"

"لوگو!"

"ہم پر الزام لگایا گیا کہ ہم نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے۔ اگر یہ سچ ہے تو بھی ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو اور اس دن کا انتظار کرو جب اس زمین کا تختہ الٹ جائے گا۔ آفتاب سوا نیزے پر بلند ہوگا۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے اور ہم اپنی اپنی قبروں سے اپنے اپنے اعمال نامے اپنی گردنوں میں ڈال کر اٹھیں گے اور میزان عدل برپا ہوگی اور ہمارا حساب ہوگا۔ اگر خدا ہمارے گناہوں کو بخش دے گا تو یہ اس کی رحمتِ بے پایاں کا کرشمہ ہوگا۔ اور اگر ہم کو ابدالآباد تک جہنم کا ایندھن بننا مقدر ہوا تو یہ ہمارے گناہوں کی پاداش ہوگی۔"

"لیکن۔"

"اگر ہم نے شراب پی کر تمہارے حقوق کو پامال کیا ہو۔"

"تمہاری مقدس عورتوں پر مجرمانہ نگاہ کی ہو۔"

"تم سے قرض مانگا ہو اور ادا نہ کیا ہو۔"

"تم انصاف مانگنے آئے ہو اور ہم نے کانوں میں انگلیاں دے لی ہوں۔"

"تم ظالم کی شکایت لے کر آئے ہو اور ہم نے تلوار کو غلاف کر لیا ہو۔"

"نہیں۔"

تم سوال لے کر آئے ہو اور ہم نے سکوت اختیار کیا ہو۔"

"تو تم کو قسم ہے اس ذات کی جس کو عزیز رکھتے ہو۔ کھڑے ہو جاؤ اور اس مقدس مقام پر اپنا حق مانگو۔ اگر ہم عاجز ہو جائیں تو ہماری بوٹیاں اڑا کر اسی شاہجہانی مسجد کی سیڑھیوں پر ڈال دو۔"

مسجد کے گنبد و مینار و محراب دارا کی خطابت کے سامنے خاموش کھڑے تھے۔ انسان پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت بیٹھے سن رہے تھے۔

"لیکن اگر تم سلطنت کے بدخواہوں کے فتنے کا شکار ہوگئے۔ کسی ناپاک سازش کا نشہ پی کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ حق و ناحق کی تمیز سے دور ہوگئے تو یاد رکھو کہ ظلِ سبحانی کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ہے۔ ہماری کمر میں تلوار محفوظ ہے۔ ہماری رکاب میں وہ قاہر و جابر لشکر موجود ہے جو ایک ایک گلی اور ایک ایک کوچے کو انصاف سے بھر دے گا۔"

"بس۔"

"ہماری خدا سے دعا ہے کہ شہنشاہ کو صحت اور تم کو نیک ہدایت عطا فرمائے۔"

"آمین۔"

"ثم آمین۔"



مغرب کی آذان ہو چکی تھی۔ چاندنی چوک کا آباد بازار مشعلوں، چراغوں، پنشاخوں، شمعوں، جھاڑوں اور فانوسوں سے جگمگا رہا تھا۔ سفید پھولوں کے گجروں سے مہکتے ہوئے عطریات میں بسے ہوئے ململ کے جامے، آب رواں کے نیمے، چکن کے انگرکھے، سفید ریشم کے کرتے صافے، عمامے اور تکونے رومال، چھڑکاؤ کی ہوئی ٹھنڈی چوڑی سڑکوں پر موجوں کی طرح بہہ رہے تھے۔ عربی، عراقی اور کاٹھیاواڑی گھوڑوں کے سیمیں اور زرّیں جھانجھوں کے گھنگھرو چھنک رہے تھے۔ سبک رورتھوں کے سجیلے بیلوں کے سموں کی آوازیں گمک رہی تھیں۔ تخت رواں، ہوادار، پالکیاں اور نالکیاں بھڑکیلی وردیوں میں ملبوس کہاروں کے مضبوط کاندھوں پر اڑی جا رہی تھیں۔ شیخ میر کی کتابوں کی دوکان کی سنگین محرابوں کے آگے لب سڑک تختوں کا چوکا لگا تھا۔ چاندنی کے فرش پر مسندوں سے لگے ہوئے خوش باشوں کا ہجوم تھا۔ خادم کھجور کے بڑے بڑے پنکھے ہلا رہے تھے۔ فالودے اور شربت کے گلاس گردش کر رہے تھے۔ کلابتوں کے گل بوٹے پہنے سیمیں چیزوں کے تاج لگائے، چاندی کے دست پنوں کو گلے میں حمائل کیے سبک سجل حقے خوشبودار دھواں اڑا رہے تھے۔ داستان

پڑھنے والا دوزانو بیٹھا شمعوں کی تیز روشنی میں بادامی کاغذ کی لمبی سی کتاب کے ورق الٹ رہا تھا کہ کسی منچلے نے آواز لگائی۔

"آج کا پاٹھ پربھو کے نام سے آرمبھ ہو کر دیو۔"

"وہ کیوں؟"

کسی نے جانتے بوجھتے انجان بن کر پوچھا۔

"دھیرج سے کام لو مہاراج...... اگر چکرورتی مہاراج داراجی کے کسی چالک نے سن لیا تو دیش وِرودھی کاریہ کرم میں دھر لئے جاؤ گے۔"

داستان پڑھنے والے نے کتاب پر سے جھانک کر دیکھا۔ کتاب بند کر کے رکھ دی۔ قریب بیٹھے ہوئے آدمی کے کان پر منہ رکھ دیا اور سرگوشیاں بھنبھنانے لگا۔

آگے بڑھ کر دلّن باورچی کی دوکان تھی۔ بجھے ہوئے گولوں پر دیگیں چڑھی تھیں۔ پتیلے اترے ہوئے رکھے تھے۔ گھی، مسالے اور زعفران سے معطر بھاپ کے مرغولے تیر رہے تھے۔ خریداروں کی بھیڑ لگی تھی۔ کھانے سے بھرے ہوئے بادلے، طباق، بکاولی، کف گیر، طعام بخش سب ایک ساتھ گردش میں تھے کہ کسی دل جلے نے فقرہ دیا۔

"دلّن میاں لاؤ دھیلے کا ہریسا آج اور کھلا دو۔"

"یہ آج کی کیا شرط لگا دی میاں جی۔ اللہ چاہے گا تو دلّن کے مرنے کے بعد بھی کھاتے رہو گے۔"

"کس خوابِ خرگوش میں پڑے ہو دلّن میاں۔ کل اگر دارا جی مہاراج سنگھاسن پر براج گئے تو پرسوں سے گوشت کا قصہ ختم سمجھو۔"

"کیا کہہ رہے ہو میاں!"

اور بحث چھڑ گئی۔



کچھ دور چل کر میاں زعفران کی ڈیوڑھی تھی۔ داہنے پہلو کی سہ دری میں شیریں رکابدار کی دوکان تھی۔ رنگ برنگ قندیلوں، چمکیلے تھالوں، معطر حلووں، مربّوں اور مٹھائیوں

سے دولھن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ سیڑھیوں پر بہار مالی پھولوں کے گجروں، زیوروں اور ہاروں کا تختہ لگائے بیٹھا تھا۔ بارہ دری کے سامنے مسطح چبوترے پر بلوریں گلاسوں میں مومی شمعیں روشن تھیں۔ پانی سے بھیگے سرخ پتھر کے چبوترے پر تخت بچھے تھے۔ شطرنجی پر سوتی قالین پڑے تھے۔ روپے کی گھڑونچیوں پر کوری کوری گلابی ٹھلیاں تول کر صافیاں باندھے کنواریوں کی طرح ساون کی سرخ اوڑھنیاں اوڑھے شرما رہی تھیں۔ چوکی کے پاس ایک خدمت گار شورے کی صراحیاں ہلا رہا تھا۔ برابر کی ننگی چوکی پر برف کے آب خورے لگے تھے۔

ایک طرف ایک موٹا تازہ سیاہ فام آدمی ریشمیں تہبند باندھے، ہاتھوں میں چاندی کے تین گھنگھرو پہنے لمبی چوڑی سل پر بھنگ پیس رہا تھا۔ دوسرا ملازم چبوترے کی گگر پر کھڑا اس طرح نیچے تازے کر رہا تھا کہ سارا پانی کامنی کی جھاڑی پر گر رہا تھا۔ ایک سنگین کرسی پر میاں زعفران آب رواں کا جامہ اور زمین سکھ کا ایک برکا پائجامہ پہنے سر پر قالب سے اتری ٹوپی رکھے، داڑھی میں مہندی، آنکھوں میں سرمہ، کان میں عطر کی پھریری لگائے، بازو پر تعویذ باندھے خوشبودار تمباکو کا دھواں اڑا رہے تھے۔ قدموں کی چاپ پر ہونٹوں سے نے نکالی آنکھوں پر ہتھیلی کا چھجہ بنایا اور چہکے۔

''واہ مرزا صاحب! آپ نے تو مرغے بلا دیئے۔''

مرزا نیچے تازہ کرتے ہوئے آدمی کے پاس ٹھٹھک گئے۔ میاں زعفران کی سنی ان سنی کر کے اسی سے مخاطب ہوئے۔

''بھائی...... ذرا بولتا ہوا ہمدم (حقہ) لگانا۔''

اور خود میاں زعفران والے حقے پر ڈھے گئے۔

زعفران کے ہاتھ کے اشارے پر ایک خدمت گزار فرشی پنکھا لے کر کھڑا ہو گیا۔

زعفران نے تشویش ناک آواز میں مخاطب کیا۔

''خیر تو ہے مرزا صاحب! کیا نصیبِ دشمناں کچھ مزاج......''

''ناساز ہونے والا ہے۔''

''پہیلیاں نے بجھوایئے۔''

''پہیلیاں؟ اماں سارے شاہجہاں آباد میں آگ لگی ہوئی ہے اور تم سمجھ رہے ہو کہ ہولی جل رہی ہے؟ قدم قدم پر پہرے پڑے ہیں۔ مسجدوں کے دروازوں پر جاسوس

کھڑے نمازیوں کے نام لکھ رہے ہیں۔ گھر گھر دوڑ آ رہی ہے۔ وہ تو سبز پری کا بھلا ہو کہ بوسہ لئے بغیر چین نہیں پڑتا۔ ورنہ کیا آج گھر سے قدم نکالنے والا تھا۔''

مرزا صاحب نے ایک ہی سانس میں اگل دیا۔

''میں اب محروم ہوں مرزا صاحب۔''

''اوں...... ہوں...... تو یہ ہے بیرنا بالغ صاحب، ظل سبحانی گھڑیاں گن رہے ہیں۔ تینوں شہزادے سیکڑوں میل دور اپنے اپنے صوبوں پر بے خبر بیٹھے ہیں اور دارا بادشاہی کا انتظام پختہ کر چکا ہے۔ آج کل میں جلوس کیا چاہتا ہے...... بس یہ سمجھو زعفران کہ جس گھڑی اس نے تاج اوڑھا وہ ہندوگردی ہوگی وہ ہندوگردی ہوگی کہ سات سو برس کی حکومت کا خمار سات گھنٹوں میں اتر جائے گا۔''

''واللہ یہ تو بُری سنائی مرزا صاحب آپ نے۔''

''کورنش بجا لاتا ہوں مرزا صاحب۔''

شاہجہاں آباد کے اس ''نائٹ کلب'' کے دوسرے ممبر آنے لگے اور داراشکوہ کے نقشے نکالنے لگے۔

عشاء کی اذان ہو چکی تھی۔ فتحپوری مسجد بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ مرمریں حوض پر لوگ وضو کر رہے تھے۔ سرگوشیاں رینگ رہی تھیں۔ امام کے انتظار میں کچھ لوگ نفلیں پڑھ رہے تھے اور کچھ سر جھکائے بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے صف سے گردن نکال کر دوسرے کو مخاطب کیا۔

''سنا سید صاحب آپ نے...... گونگے میاں نے پیشین گوئی کر دی۔''

''کون گونگے میاں؟''

''وہی چلکی قبر والے جنھوں نے شہریار کے قتل اور ظلِ سبحانی کی تخت نشینی کی بشارت دی تھی۔''

''کیا پیشین گوئی کی؟''

بہت سی آوازوں نے ایک ساتھ سوال کیا۔

''عصر کی نماز کے بعد مراقبے سے سر اٹھایا۔ چیخ کر خادم سے کہا ''پانی لاؤ—— نہالوں۔ شہنشاہ کی نماز پڑھانا ہے۔''

"خادم نے دوڑ کر حمام تیار کر دیا۔ جب اطلاع دینے آیا تو بولے" جا رحیم آہنگر سے کہہ کہ ہماری تلواریں جلد بھیجے۔ ہم دارا سے جہاد کرنے جا رہے ہیں۔"

"جہاد کرنے۔"

کئی آوازوں نے تکرار کی اور سناٹا چھا گیا۔ پھر امام صاحب لمبے لمبے ڈگ رکھتے آئے تکبّر سے بولے۔

"تکبیر کہو تکبیر...... نماز پڑھو اور گھر جاؤ...... گونگے میاں گرفتار ہو گئے۔"

"گونگے میاں گرفتار ہو گئے۔"

"مگر کیا ان کی گرفتاری سے تقدیر کا لکھا ٹل جائے گا۔"

متھرا کی جس مسجد کو دارا نے مسلمانوں سے چھین کر ہندوؤں کو بخش دیا تھا اس کے چاروں طرف لگی سنگ مرمر کی جالیاں تباہ ہو گئی تھیں۔ جنھیں دارا نے صرف خاص سے دوبارہ تیار کرایا تھا جس دن ملاحظے میں لائی گئیں اسی دن متھرا پہنچائے جانے کا حکم ہوا۔ میر سامان کی بصیرت نے دارالخلافے کی سیاست کو دیکھ لیا تھا۔ اس لئے اہتمام کیا تھا کہ جالیاں لے جانے والی گاڑیاں آدھی رات کو شہر پناہ سے گزار دی جائیں اور وہ گذر بھی گئیں لیکن شہر پناہ کے دروازے پر کسی دیدبان نے محافظوں سے پوچھ لیا کہ یہ گاڑیاں کہاں جا رہی ہیں۔ سوار نے دارائی ملازمت کے نشے میں ہانک دیا کہ متھرا کے چنتامنی مندر کے لئے جا رہی ہیں اور دارا کے حکم سے جا رہی ہیں۔ یہ کوئی اہم معاملہ نہ تھا۔ دارا اس سے پہلے بھی کشمیر اور بھکر کے مندروں کی تعمیر کرا چکا تھا۔ جاگیریں بخش چکا تھا لیکن مخصوص حالات نے اس واقعے کو اور ہی رنگ دے دیا۔ نواب عیسیٰ بیگ، جو شہر کے چپہ چپہ پر لگے ہوئے اورنگ زیب کے جاسوسوں کا سربراہ تھا، اس خبر سے محظوظ ہوا۔ اس کے گرگوں نے سارے شہر میں مشہور کر دیا کہ دارا نے منت مانی تھی کہ جس دن میں شہنشاہ ہو جاؤں گا اسی دن مندر کی آرائش و زیبائش کا سامان کروں گا اور رات شہنشاہ مر گیا۔ آج اس نے تاج پہن لیا ہے لیکن مصلحتاً اعلان نہیں کر رہا ہے۔

شہنشاہ کے دیدار سے محروم رعایا نے اورنگ زیب کی پھیلائی ہوئی اس افواہ کو آسمانی حکم کی طرح مان لیا کہ داراشکوہ نے ظلِ سبحانی کو معزول کر دیا ہے اور سلطنت کو غصب کر لیا ہے۔ یہ خبر بھی ہر بری خبر کی طرح شاہی تردیدوں اور تلواروں کے حصار توڑ کر سارے شہر میں پھیل گئی۔ پھر ہندوستان کا گشت کرنے کے لئے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔

مغل اقبال کی دوپہر ہو چکی تھی۔ غزنیں سے راس کماری اور آسام سے گجرات تک تمام ہندوستان شاہجہانی پرچم کے سائے میں تھا۔ عہد وسطیٰ کی روایتی شجاعت کے نشے میں چور خان اور سنگھ راجے اور نواب جب اپنے عشرت کدوں میں قید دنیا بھر کی نعمتوں کی یکساں لذت سے اکتا جاتے تو چربی چڑھے ہوئے گھوڑوں پر ساز رکھتے، غلاف میں سوئی ہوئی تلوار بیدار کرتے اور تھوڑی سی بے ادبی کر کے جلادت کے بھولتے ہوئے سبق یاد کر لیتے۔ جب سپہ سالار کی مرصع کمر سے کھڑکھڑاتی ہوئی تلوار علم ہوتی اور سپہ گری کا حوصلہ نکل چکتا تو معافیوں کی زنجیروں سے کمر بندھوا کر دربار میں حاضر ہو جاتے اور خلعت پہن کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوتے۔ اکبر کے عہد عروج سے عالمگیر کے عہد زوال تک خانہ جنگی کے علاوہ کوئی بغاوت ایسی نہیں ہوئی جس نے شہنشاہی کی بنیاد ہلا دی ہو۔ تاہم ان زمانوں میں جب لولے لنگڑے تک ہتھیار باندھتے تھے اور زنبوریں چلاتے تھے اور چھوٹے موٹے زمیندار تک مٹی کی گڑھیوں پر توپیں چڑھاتے تھے اور آتش بازوں کی پرورش کرتے تھے۔ سڑکیں ناہموار اور ہاہاکار کرتے ہوئے دریاؤں سے کٹی پھٹی ہوتی تھیں۔ صحرا بے آب و گیاہ جنگل دشوار گذار اور پہاڑ ناقابلِ عبور ہوا کرتے تھے۔ عامیوں کے لئے اس فوج سے بغاوت آسان تھی جس کا اسلحہ ان سے بہت بہتر نہ تھا اور جو صرف اپنی تنظیم، تربیت اور طاقت کی بنا پر باغیوں کو کچل دیا کرتی تھیں۔

شاہجہاں آباد دنیا کے عظیم الشان شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ سارے جہان کی دولت سے آباد اور مغلوں کے عہد زریں کی نعمتوں سے مالا مال تھا۔ چین سے یورپ تک ہندوستانی تاجر پھیلے ہوئے تھے۔ جو سوتی ریشمی، اونی کپڑے، سونے چاندی، پیتل، تانبے، ہاتھی دانت اور صندل کی مصنوعات برآمد کرتے تھے اور بازار کو اپنے قابو میں رکھتے تھے۔ اور اپنے دارالسلطنت کو سارے جہان کے نوادرات سے مزین کرتے تھے۔ عرب کے گھوڑے، حلب کی تلواریں، عدن کے موتی، اصفہان کے قالین، چین کا ریشم، خطا کا سمور،

مغرب کے آلات وشیشہ جات، متوسط طبقے کی معیشت کی رسائی میں تھے۔ نچلے طبقے کی عورتوں کے ہاتھوں میں سونے اور پیروں میں چاندی کے زیور نظر آتے تھے۔

سونے چاندی کی بہتی ہوئی گنگا نے جفاکوش مغلوں کے نفسیات بگاڑ دی تھی۔ گھوڑوں کی پیٹھ پر تلوار ہلاتے ہلاتے بوڑھی ہو جانے والی قوم پر تھکن طاری ہو چکی تھی۔ ہاتھیوں کے چھتر دار گدیلے ہودجوں، گھوڑوں کی دولہن بنی ہوئی زینوں اور فولاد کے مردانہ زیوروں سے جی اکتا گیا تھا۔ اب وہ قاقم وسنجاب کے لباس اور جواہرات کے زیور پہن کر سونے کے ہواداروں اور چاندی کی پالکیوں پر چلنے لگے تھے۔ پتھریلی گلیوں کے فلک بوس محلوں کے خنک چمکیلے تہہ خانوں میں حورشمائل کنیزوں کے پرے اٹھکیلیاں کرتے تھے اور پازیب کے گھنگھرو اور رباب کے نغمے گنگناتے تھے۔ تصویر کی طرح سجے ہوئے باغوں اور قالینوں کی طرح بچھے ہوئے رمنوں کی محبت دل میں بیٹھ چکی تھی۔ بڑے بڑے امیروں کے حرم اصطبل کی طرح دیس دیس کی عورتوں اور قسم قسم کی حیاسوز عشرتوں سے بھرے پڑے تھے۔ ایک ایک دن میں سو سو میل کا دھاوا کرنے والے سپہ سالار قدم قدم پر منزلیں کرتے تھے۔ سیاہ زلفوں کی چھاؤں میں دم لیتے تھے اور سنہرے پیالوں اور جسموں کی گردش سے تھکن دور کرتے تھے۔ ان دسترخوانوں پر روح کی تسکین حاصل کرتے تھے جن کی قابوں کا شمار عام طور پر سو سے زائد ہوا کرتا تھا۔ اس کاہلی نے کام چوری اور کام چوری نے سازش اور سازش نے توہم کو خون میں شامل کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جب نیا گھوڑا خرید کر آتا تو اس پر سواری کے لئے مقدس گھڑی کی جستجو کی جاتی۔ نجومیوں کی تنخواہ کے علاوہ تحائف دے کر مبارک ساعت کا علم حاصل کیا جاتا۔ اور نجومی اپنا بازار قائم رکھنے اور اپنے وجود کا جواز برقرار رکھنے کے لئے اس درجہ انتظار کراتے کہ گھوڑا بوڑھا ہو جاتا۔

اس پس منظر میں ہندستان پر ایک بدشگون خاموشی مسلط تھی۔

دولت خانے کے مطلاّ زینے کے مرمریں سیڑھیوں کے کشمیری قالینوں پر حکیم ماہم اپنے بوڑھے سبک قدم رکھتے اور سیاہ ریشمیں چغے کے گھیردار دامن لہراتے اترے۔ خواجہ سراؤں کی ننگی تلواروں کی صفوں کو چیرتے دیوان عام کی طرف چلے۔ سونے چاندی کے گرز سنبھالے ہوئے گرز برداروں نے اس کو راستہ دے دیا۔ دارا گلابوں کے چمن میں ٹہل رہا تھا۔ شیرازی کبوتروں کے پرے زرکار مرمریں نہر میں غسل کر رہے تھے۔ پالتو افریقی

شیروں کا جوڑا اداہنے بائیں چل رہا تھا۔ حکیم ماہم تسلیم کو جھک گئے۔ شیروں کو برقندازوں نے سنبھال لیا۔ حکیم ماہم نے گزارش کی۔ ''صاحبِ عالم کو مبارک ہو...... ظل اللہ نے آنکھیں کھولیں۔ تبسم فرمایا اور آپ کو باریاب کئے جانے کا مژدہ دیا۔''

دارا نے جواب میں گلے سے موتیوں کا ہار اتار کر حکیم کی کانپتی ہتھیلیوں کے پیالے میں ڈال دیا اور خود آداب شہزادگی کے خلاف تقریباً دوڑتا ہوا چلا۔ زمین بوس ہوتے ہوئے چیلوں، خادموں، خواجہ سراؤں اور حاجیوں کے سلاموں سے بے نیاز دولت خانہ شاہی میں داخل ہو گیا۔ ظل اللہ اونچے تکیے سے پشت لگائے لیٹے تھے۔ ستے ہوئے چہرے سے نقاہت برس رہی تھی۔ سیاہ اطلس میں ملبوس بازوؤں پر جواہرنگار جوشن ڈھیلے ہو گئے تھے۔ دو کنیزیں سونے کی طرح زرد تلوؤں پر مخمل کی گدیوں سے جھانواں کر رہی تھیں۔ جہاں آرا بستر شاہی کے برابر جڑاؤ مونڈھے پر بیٹھی شہنشاہ کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی سہلا رہی تھی۔ شہنشاہ نے آنکھیں کھولیں تو دارا شاہی پلنگ کا طواف کر رہا تھا۔ تبسم کی ہلکی دھندلی سی لکیر لبوں پر رینگ گئی۔ دارا نے سر جھکایا تو جواہرات کے بوجھ سے کانپتا ہاتھ سر پر لرزتا رہا۔ پھر مغربی درکہ گوہر نگار پردہ ہٹ گیا۔ پری پیکر اور ستارہ لباس کنیزوں کی قطار طلائی سرپوشوں سے ڈھکے ہوئے طباق سروں پر اٹھائے ہوئے حاضر ہوئی۔ بادشاہ بیگم (جہاں آرا) نے دونوں ہاتھوں سے بادشاہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اشرفیوں گنگا جمنی پھولوں اور روپیوں سے بھرے ہوئے صدقے کے طباقوں سے چھلا دیا۔ دارا نے خواجہ سرا فہیم کو گردن موڑ کر دیکھا اور حکم دیا۔ ''داراوغہ چاندنی خانہ کو فرمان دو کہ آج کی رات چراغاں کیا جائے۔''

دارا کی آواز مسرت اور جوش سے بھاری تھی۔ شہنشاہ نے شیریں ناگواری سے ابرو سمیٹ لئے اور آہستہ سے فرمایا۔

''عجلت...... اس قدر عجلت......''

خوشگوار شام کا گلابی آنچل لہراتے ہی ''چاندنی خانے'' کا تمام کارخانہ حرکت میں آ گیا۔ وہ ''جھاڑ'' آتشیں پھولوں سے چمکنے لگے جن میں بیک وقت آٹھ آٹھ سو پیالے روشن ہوتے تھے۔ وہ فانوس فروزاں ہو گئے جن میں سیکڑوں شمعیں ایک ساتھ جلنے لگتی تھیں۔ روشنی کے گلاسوں، چوکیوں اور پھانکوں نے لال قلعے کے در و دیوار میں دن کی دوپہر کو قید کر دیا تھا۔ بہت سی کنیزیں حاضر تھیں۔ ان کے جسم روپہلے اور سنہرے غازے

سے رنگے ہوئے تھے۔ سروں پر طشت جمے ہوئے تھے جن میں بھاری بھاری کافوری شمعیں منور تھیں۔ اوپر اٹھے ہوئے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی طشتری میں شمع جل رہی تھی۔ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کمر کے پہلو میں تھی۔ اس پر بھی ایک شمع فروزاں تھی۔ جب صاحب عالم کی آمد کا غلغلہ ہوا تو یہ کنیزیں بے مثل رقاصاؤں کی طرح رقص کرتی ہوئی حضور میں آ گئیں۔ دارا ان کے قدموں کی چلت پھرت کو دیکھتا رہا۔ وہ بے محابا ناچتی رہیں۔ پھر خواجہ سرا یاقوت سرخ ریشمیں چغے کے کامدار دامنوں کو پھڑ پھڑاتا ہوا کنیزوں کی قطاروں کو چیرتا حضور میں آیا۔ جلدی جلدی کورنش کی رسم ادا کی اور سانس روک کر بولا۔

"رائے رایاں، دیوانِ کل باریابی کی اجازت چاہتے ہیں۔"

"پیش کرو۔"

وہ الٹے پیروں واپس ہوا۔ دارا کنیزوں کو رقص کرتا چھوڑ کر دیوان خاص کی طرف چلا۔ تخت طاؤس کا سامنا ہوتے ہی تسلیم کے لئے جھک گیا اور مودب قدموں سے چلتا ہوا اپنے سنہرے تخت پر بیٹھ گیا۔ شاہی گرز برداروں اور شمشیر زنوں کی جو جماعت دیوانِ خاص میں ہر وقت حاضر رہتی تھی اپنی جگہ مستعد ہو گئی۔ پہلو کی محراب سے وہ ترازو نظر آ رہا تھا جو مغلوں کے انصاف کی علامت تھا۔ اس کے دونوں طرف شاہجہاں کے وہ مشہور علم کھڑے تھے جن کے سبز پھریروں پر سورج بنا تھا۔

گرز برداروں کی دوہری قطاروں کے درمیان رائے رایاں آ رہے تھے۔ بیچ میں سے تقسیم سفید داڑھی کانوں تک چڑھی ہوئی تھی۔ گوہر نگار مندیل سے نکلے ہوئے چاندی کے گیسو مونچھوں کی سفید نوکوں کے سامنے سہمے پڑے تھے۔ جواہر نگار پٹکے میں تلوار لگی تھی جو مخمل پوش سیڑھیوں سے ٹکرا رہی تھی۔ رائے رایاں نے دارا کے تخت کے سامنے پہنچ کر کورنش ادا کی۔ ستونوں کے سامنے اور محرابوں کے نیچے ہجوم کئے ہوئے خدام کو دیکھا۔ دارا نے دیوان خاص کے مہتمم ذوالفقار بیگ کو ہاتھ کے اشارے سے تخلیے کا حکم دیا...... پھر رائے رایاں نے ہاتھ باندھ کر گزارش کی۔

"چنار کے قلعہ دار صولت بیگ کا بیٹا حشمت بیگ ہزار سواروں کے ساتھ دارالخلافت میں حاضر ہوا ہے۔ فوراً پیشی ہوئی۔ اس نے بیان دیا کہ شاہزادہ شجاع تاج پہن کر راج محل سے نکلا۔ راستے میں ممالک محروسہ کو زیر و زبر کرتا ہوا چنار کے قلعے میں

داخل ہو گیا۔" "کیا مطلب؟"

شاہزادہ باغی ہو گیا ہے...... اس نے تاج پہن کر خطبہ پڑھوا دیا اور سکہ۔"

"اور صولت بیگ؟"

"صولت بیگ بھاری توپ خانے اور پچاس ہزار سواروں کا مقابلہ نہ کر سکا۔"

"اور قلعہ حوالے کر دیا۔"

"اب وہ الہ آباد کی طرف حرکت کر رہا ہے۔"

رائے کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا اور دارا کو اس سے زیادہ سننے کی تاب تھی۔ وہ دیر تک اسی طرح دوزانو بیٹھا سوچتا رہا۔ زانو پر رکھے ہاتھوں کی انگلیاں حرکت کرتیں تو انگوٹھیاں تڑپ جاتیں۔ پھر رائے نے سنا۔

"حاکم الہ آباد کو لکھا جائے کہ آگے بڑھ کر تمام گھاٹوں اور راستوں کو بند کر دے اور فیصلہ کن لڑائی کے لئے شاہی لشکر کا انتظار کرے۔"

رائے نے سر جھکا دیا۔

"حشمت بیگ کو حراست میں لے لیا جائے...... دربار میں باغی شاہزادے کے حاضر وکیلوں کو گرفتار کر لیا جائے۔"

دارا نے ہاتھ مسند پر رکھ لئے۔ رائے رایاں اس اشارے کو حکم جان کر واپس چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد دارا اٹھا۔ بھاری بھاری قدم رکھتا نہر بہشت کے کنارے کنارے چلتا ہوا دولت خانہ خاص میں آ گیا۔ طلائی دروازے کے پردے کے پاس کھڑی ہوئی کنیزیں اشارہ ملتے ہی آگے بڑھیں۔

"بادشاہ بیگم۔"

جہاں آرا بیگم باہر نکلیں۔ جشنِ چراغاں میں شرکت کے لئے انھوں نے لباس فاخرہ پہنا تھا۔ گلابی قبا کے دامنوں، آستینوں اور شمسوں پر زمرّد جڑے تھے۔ دوپٹے کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے موتی ٹنکے تھے۔ چہرے پر رونق کا غازہ ملا تھا۔ ہونٹ تبسم سے سرخ تھے لیکن دارا کا چہرہ دیکھ کر چونک پڑیں اور اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی اس صحن میں آ گئیں جہاں روشنیوں کا طوفان مدھم تھا اور نغموں کی آواز جھجکتی ہوئی آ رہی تھی۔ دارا نے

آہستہ آہستہ وہ خبر سنا دی جسے سننے کے لئے تمام ہندوستان میں کوئی تیار نہ تھا۔

جہاں آرا بیگم کے ساتھ داراشکوہ بھی اندر داخل ہوا۔ شاہجہاں کی بیمار نظروں نے داراشکوہ بابا اور بیگم صاحب کے سوچتے ہوئے لمبے چہروں پر تردد اور پریشانی کی لرزتی پرچھائیاں دیکھ لیں۔ وہ اونچے تکیے پر سر رکھے نقاہت کے بوجھ سے دبے دراز تھے۔ سمور کی چادر سے نکلے ہوئے ہاتھ کو جنبش دی۔ بیگم صاحبہ آگے بڑھ کر گھٹنوں پر کھڑی ہو گئیں۔ دارا اسی طرح شاہی پلنگ کے سنہرے پائے کے پاس کھڑا رہا۔ ظلِ سبحانی نے ابرو کے اشاروں سے سوالات کئے لیکن جوابات میں بیگم صاحب ان کے نحیف ہاتھ کو ہاتھوں میں لئے سہلاتی رہیں۔ حکم پر کنیزوں نے ان کے شانوں کو سہارا دے کر اٹھایا۔ گردن کے نیچے ایک اور تکیہ لگا دیا۔ اب جہاں آرا کی نظروں نے داراشکوہ کی اجازت لی۔ شاہجہاں نے تھرتھراتی آواز میں مغل شہنشاہ کی قاہرانہ جبروت کے ساتھ حکم دیا۔ جہاں آرا نے کنیزوں کو باہر نکال کر گوش گزار کیا۔

"بنگال سے پرچہ لگا ہے کہ شاہزادہ شجاع راج محل سے نکل کر چنار کے حلقے میں داخل ہو گیا ہے۔"

"شجاع؟"

شہنشاہ کے بوڑھے چہرے کے خوابیدہ خطوط چونک کر بیدار ہو گئے ابرو پر شکن پڑ گئی۔ کہنیاں مسند پر گاڑ دیں اور بدلی ہوئی طاقتور آواز میں حکم دیا۔

"تفصیل بیان کرو۔"

جہاں آرا نے ایک بار پھر دارا کا رخ دیکھا اور عرض کیا۔

"شجاع نے راج محل میں تاج پہن لیا۔ خطبہ پڑھا دیا۔ سکہ ڈھال لیا۔ امراء میں منصب تقسیم کئے اور چنار کے قلعے پر دھاوا کیا۔ قلعہ دار پچاس ہزار سواروں اور بھاری توپ خانے کا مقابلہ نہ کر سکا۔ قلعہ شاہزادہ شجاع......"

"نہیں باغی نے لے لیا...... شجاع کو شاہزادہ کہنا شہزادگی کی توہین ہے۔"

آواز کی تندی اور غضب کے اظہار نے ان کو تھکا دیا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے لانبے لانبے سانس لے رہے تھے۔ لیکن ذہن چاق و چوبند تھا۔ سیاسی بصیرت معاملے کی نزاکت سمجھ رہی تھی۔ دور اندیشی دیکھ رہی تھی کہ اورنگ زیب کا بیٹا شجاع کی بیٹی سے منسوب

ہے۔ اس تعلق نے دونوں شاہزادوں کو دارا کے خلاف متحد کر دیا۔ مراد شاہجہاں آباد سے دور اور دکن سے نزدیک ہے۔ قرین قیاس ہے کہ اورنگ زیب کے اشارے ہی پر شجاع نے یہ حرکت کی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اب مراد گجرات سے جنبش کرے اور جب دربار کی طاقت تقسیم ہو چکے تب اورنگ زیب دکن سے خروج کرے۔

"اور دکن؟"

دارا سے سوال ہوا۔

"آخری پرچہ لگنے تک دکن اور گجرات میں امن تھا۔"

دیر تک خاموشی طاری رہی پھر ارشاد ہوا۔

"لشکر کو کمر بندی کا حکم دیا جائے۔ اور صبح خاص سپہ سالاروں کو طلب کیا جائے۔"

دارا نے سر جھکا دیا۔

"جاؤ وقت کم ہے اور کام زیادہ۔"

ساری رات وزارتِ عظمیٰ کے دفاتر کھلے رہے۔ سوار اور پیادے دوڑتے رہے۔ توپ خانے کے کارخانے، ہتھیاروں کی گڑگڑاہٹ اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے گونجتے رہے۔ تمام شہر نیم بیدار رہا۔ دروازوں کی آنکھیں اور دیواروں کے کان سب سرگوشیاں کرتے رہے۔



نمازِ فجر کے بعد داروغۂ بیوتات حاضر ہوا۔ شہنشاہ نے ہفتوں کے بعد لباسِ فاخرہ زیب تن فرما کر جواہرات خاص پہنے تاج شاہی سر پر رکھا اور دولت خانہ خاص کی شہ نشین میں الماس کے تخت پر جلوس کیا۔ کمزوری کے باوجود آداب شہنشاہی کا لحاظ فرماتے ہوئے دوزانو بیٹھ کر اونچی مسند سے پشت لگائی۔ گرز بردار، چیلے، خدام، خواجہ سرا، خاص بردار اور منصب دار اپنی اپنی جگہوں پر استادہ تھے۔ پھر داراشکوہ باریاب ہوا۔ اس کے بعد شاہزادہ سلیمان شکوہ، مرزا مہاراجہ جے سنگھ اور دلیر خاں مجرے کو پیش ہوئے۔ نذریں قبول ہوئیں، خلعتیں عطا کی گئیں۔

تخت کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوئے نوعمر و نوخیز شاہزادے (سلیمان شکوہ) پر نگاہ اٹھی۔ اب بیمار بوڑھے شہنشاہ کے بجائے اس خرم کی آواز بلند تھی جس کے علم دیکھ کر ہی عہدِ جہانگیری کے بڑے بڑے باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

"مابدولت نے باغیوں کی تعداد کو کبھی قابل اعتنا نہیں جانا۔ بائیس ہزار لشکر شاہی کی قاہرانہ آمد کا غلغلہ سنتے ہی پچاس ہزار باغی میدان جنگ سے اس طرح نابود ہو جائیں گے جس طرح آندھی خس و خاشاک کو اڑا دیتی ہے۔ یہ مہم تم کو عطا کی گئی۔ شباب کے غضب اور خون میں شامل جلادت سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونا چاہئے جو مغل شاہزادوں کے شایانِ شان نہ ہو۔ امان مانگنے والوں اور ہتھیار ڈالنے والوں سے چشم پوشی کی جائے۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں سے احتساب نہ کیا جائے۔ میدانِ جنگ میں مرزا راجہ اور خانِ کلاں دلیر خاں کے مشوروں کا احترام کیا جائے۔" شاہزادہ سلیمان جو گھٹنوں تک سر جھکائے ارشاداتِ خسروی سماعت کر رہا تھا۔ اب سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"مرزا راجہ؟"

"عالم پناہ۔"

"تم سلیمان شکوہ سپہ سالار لشکر کے اتالیق مقرر کئے جاتے ہو۔ حکم دیا جاتا ہے کہ اس بدنصیب باغی کو زندہ یا مردہ ہمارے حضور میں پیش کرو۔"

مرزا راجہ گھٹنوں تک سر جھکائے سلام کر رہا تھا کہ دلیر خاں کو حکم ملا۔

"خان کو سلیمان شکوہ کی رکاب میں دیا جاتا ہے۔"

دلیر خاں نے سر جھکا کر تعمیلِ حکم کا اقرار کیا اور اشارہ پاتے ہی مرزا راجہ جے سنگھ کے ساتھ الٹے قدموں باہر نکل گیا۔ جب شاہزادہ سلیمان نے کورنش کے لئے سر جھکایا تو شہنشاہ نے قریب آنے کا حکم دیا اور نوجوان سپہ سالار کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ محبت کا ایسا جوش ہوا کہ شہنشاہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ دیر تک اسے سینے لگائے رہے۔ پھر پیشانی پر بوسہ دیا۔ فاتحہ پڑھا اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آواز میں دعا دی۔

"بارالٰہا! اسے مظفر و منصور کر۔"

داراشکوہ اسی طرح دست بستہ کھڑا رہا۔ جب بیٹا آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تو ظلِ سبحانی کو حکم دیا۔

"جاؤ لشکر کو اپنی موجودگی میں رخصت کرو۔"



وقت نے ہندوستان کی نئی تاریخ لکھنے کے لئے موسم گرما کا خلعت پہنا۔ دھوپ تیز اور ہوا گرم ہونے لگی۔ اطبائے شاہی نے ظلِ الٰہی کو تبدیل آب و ہوا کا مشورہ دیا۔ شہنشاہ جو سیاسی افق پر بیمار نظریں جمائے تھا ایک حد تک مطمئن تھا۔ شاہزادہ سلیمان باغیوں کی فتوحات سابقہ کو شکار کرتا ہوا مونگیر تک پہنچ چکا تھا اور کسی وقت یہ خوش آئند خبر آ سکتی تھی کہ شجاع اپنے حلیفوں کے ساتھ زنجیریں پہنے شاہی لشکر کی حراست میں دارالخلافہ کی طرف کوچ کر رہا ہے۔ اورنگ زیب کی سرکوبی کے لئے مہاراجہ جسونت چالیس ہزار سوار اور توپ خانے لئے دریائے نربدا کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ قاسم خاں مراد کی سرزنش کے واسطے گجرات کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ گھڑی گھڑی پہنچنے والی خبریں اظہار کر رہی تھیں کہ دونوں باغی شہزادے میدان جنگ سے پہلو چرا رہے ہیں اور نامہ و پیام کے ذریعہ اپنی آبرو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔

جب نجومیوں نے مبارک ساعت کی جستجو کرلی تو میر سامان اور میر اسفار کو حکم ملا کہ شاہجہاں آباد جانے کا انتظام کیا جائے۔

۲۵ر اپریل ۱۶۵۸ء کے غروب ہوتے ہوئے آفتاب نے ایک بار پھر وہ جلیل الشان نظارہ دیکھا جو پھر کبھی اور کہیں دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ سیکڑوں اونٹوں اور خچروں پر دوہرا ''پیش خانہ'' رخصت ہو چکا تھا۔ آہستہ خرام جمنا کی باادب لہروں پر شاہی بیڑہ اتر چکا تھا۔ قلعۂ معلٰی کے بالکل سامنے شہنشاہ کا یاقوتی بجرہ کھڑا تھا جس کا نام ''عقاب سرخ'' تھا۔ شکل ایسی تھی جیسے عقاب پانی میں تیر رہا ہو۔ اس کا بیٹ بارہ گز لانبا اور کم سے کم چار گز چوڑا تھا۔ اوپر سے نیچے تک یاقوت سے مرصع سنہرے پتروں سے جڑا ہوا تھا۔ اندرونی حاشیوں پر زرّیں دستوں کے شمعدان اور کنول نصب تھے۔ بیرونی حاشیوں پر ملاحوں کی قطار سونے کے زیور، روپہلے کام کی سرخ قبائیں اور سرخ مندیلیں پہنے، چاندی کے چپو لئے کھڑی تھی۔ مذہب ستونوں پر استادہ سرخ زربفت کی چھت مرصع فانوسوں سے مزیّن تھی۔ اس کے آگے سونے چاندی کے سات بجرے اور تھے جن پر آفتاب گیر، کوکبہ، چتر طوغ، طومان طوغ، ماہی مراتب، شیر مراتب اور شاہجہانی علم کھڑا تھا جس پر سورج بنا تھا۔ عقاب سرخ کے گرد چھوٹی چھوٹی کشتیوں کا حلقہ تھا جو سونے چاندی کے ہاتھیوں، گھوڑوں، شیروں اور چیتوں کی صورتوں سے آراستہ تھیں اور جن پر منظورِ نظر والاشاہی، سیادل، گرز بردار چیلے اور خواجہ سرا ریشمیں لباس اور سنہرے ہتھیار پہنے مستعد تھے۔ اس کے بعد سرخ پردوں سے آراستہ زرکار بجرہ بادشاہ بیگم جہاں آرا کا تھا۔ پھر دور تک دارا شکوہ اور شہزادیوں کے خاصانِ بارگاہ کی سواریوں کا سلسلہ پھیلا پڑا تھا۔ ان کے پیچھے ان گنت کشتیوں پر توشہ خانہ، جواہر خانہ، بیوتات خانہ وغیرہ کتنے ہی ''کارخانہ جات'' کھڑے تھے۔ اب دس ہزار آزمودہ کار محافظوں کی کشتیوں اور ڈونگیوں کا زنجیرہ تھا جو سکندرہ کی حدود تک پھیلا ہوا تھا۔ جمنا کے داہنے کنارے پر رستم خاں فیروز جنگ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ ورودِ مسعود کا منتظر تھا۔ بائیں کنارے پر امیر الامراء نواب خلیل اللہ خاں پندرہ ہزار تلواریں لئے ہمرکابی کا حکم نامہ پہنے موجود تھا۔ دور روضہ مبارک (تاج محل) کے نیچے امیر البحر جلالت خان اور میر آتش رعد انداز خاں کے کارخانے کھلے پڑے تھے جو افق تک پھیلتے چلے گئے تھے۔

توپیں دغنے لگیں، نقارے گرجنے لگے۔ پھر ''ہوادار'' پر شہنشاہ طلوع ہوا۔ جلو

میں دارا شکوہ بابا اور ''امرائے نامدار'' و ''راجگان جلادت آثار'' ہجوم کئے ہوئے تھے۔ ''عقاب زرّیں'' پر نزول فرماتے ہی مرصع اونٹوں پر رکھے ہوئے نقارے گرجنے لگے اور نوبتیں بجنے لگیں۔ دارا کے ہاتھ کی جنبش نے سواروں کو گھوڑوں کی پیٹھ پر پہنچا دیا۔ بلندیوں اور درختوں پر چڑھی ہوئی خلقت نے ایک جلوہ، ایک درشن پاتے ہی اپنے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ جمنا کی لہروں اور دونوں کناروں پر روشنیوں کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ پورا اکبرآباد اس نظارے سے آنکھیں سیراب کرنے کے لئے میلوں تک کھنچا چلا آیا تھا۔

۲۲ر اپریل کی ایک پہر رات گزر چکی تھی۔ جمنا پر بہتا ہوا مغل دارالخلافہ بلوچپورہ کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ ایک مغل ایال پر سر رکھے گھوڑے کو چھیڑتا نظر آیا۔ رستم خاں کے مشعل بردار سپاہیوں نے بڑھ کر دیکھا تو سوار کا لباس خون سے گلکار تھا۔ زین پوش اور نیزے میں چاندی کے گھنگھروؤں کی جھالر ٹنکی تھی جو اس کے محکمۂ ڈاک سے متعلق ہونے کی ضمانت تھی۔ رستم خاں فیروز جنگ نے اسے دیکھتے ہی ایک تیز رفتار ڈونگی میں بٹھا کر صاحب عالم کے حضور میں بھیج دیا۔ دارا اپنے بجرے میں لیٹا ہوا کابل اور گجرات اور بنگال سے آئی ہوئی ڈاک ملاحظہ کررہا تھا کہ مقربین بارگاہ نے ایلچی کو پیش کردیا اور خود اپنی کشتیاں ہٹا لے گئے۔ کورنش کے بعد زبان کھولنے کی کوشش کی لیکن حلق کے کانٹوں، خبر کی نحوست اور صاحب عالم کی قربت کے جلال نے اجازت نہ دی۔ جب پانی پی کر حواس درست ہوئے تو خبر دی کہ دھرمت کے میدان میں اورنگ زیب اور مراد نے شاہی لشکر کو شکست فاش دی۔ ہزاروں روشناس میدانِ جنگ میں کام آگئے۔ مہاراجہ اپنے راج کی طرف نکل گیا۔ قاسم خاں بچا کھچا لشکر لئے اکبرآباد کی طرف کوچ کررہا ہے۔

اور دارا یہ خبر سن کر ساکت ہو گیا۔ بجرہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا لیکن اس کے ذہن میں توپیں دغ رہی تھیں۔ ہاتھی چنگھاڑ رہے تھے اور گھوڑے الف ہو رہے تھے۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ والاشاہی سواروں (باڈی گارڈ) کی طرف دیکھ کر آہستہ سے حکم دیا۔

''اس کو حراست میں لے لو...... اور زخموں پر توجہ دو۔''

دوسرے اشارے پر اس کا بجرہ ''عقاب سرخ'' کے برابر لگا دیا گیا۔

پھر جیسے زلزلہ آ گیا۔ آہستہ خرام جمنا زخمی کوہ پیکر اژدہے کی طرح پھنکارنے لگی۔ نقاروں کے نقیبوں نے شہنشاہ کی واپسی کا اعلان کردیا۔ سات میل میں پھیلا ہوا لشکر

واپس ہونے لگا جیسے سیلاب پہ چڑھا ہوا دریا اپنا رخ بدل دے۔ ہاتھیوں، گھوڑوں، خچروں، اونٹوں کی آوازوں اور نقیبوں کی للکاروں نے قیامت برپا کردی۔ بلوچ پورہ اور قرب وجوار کی تمام آبادیاں اپنے اپنے مکانوں کی چھتوں پر ابل پڑیں۔ امیر آتش شاہی رعد انداز خاں کو حکم ہوا کہ گھوڑے پر سوار ہوکر اکبرآباد پہنچے اور توپ خانۂ عالم پناہی نکال کر باہر ڈال دے۔ اور بھاری توپیں دھول پور کی جانب حرکت کرنے لگیں۔ سید جعفر صولت جنگ میر آتش کو ذاتی پروانہ ملا کہ پہنچتے ہی پہنچتے توپ خانۂ ذاتی کے کوچ کا انتظام کرے۔

بجرے اڑ رہے تھے جیسے میدان جنگ میں گھوڑے دوڑ رہے ہوں۔ امیر البحر بہاؤ پر ڈونگی اڑاتا ہوا ملاحوں کے نام لے کر عجلت سے احکام دے رہا تھا۔ چاندی کی نقدی اور سونے کے دعدے لٹاتا پھر رہا تھا۔ درجنوں کاتب ایک زانو پر بیٹھے ہوئے امیروں، سپہ سالاروں، نوابوں، راجاؤں اور خانوں کے نام فرامین لکھ رہے تھے کہ سپاہ خاصہ کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے آستانۂ مبارک پر حاضر ہوں۔

ظلِ سبحانی حلقۂ اکبرآباد کے ''نشیمن'' میں صاحبِ فراش تھے۔ سیکڑوں بیلوں کے کندھوں اور درجنوں ہاتھیوں کی مستکوں کے سہارے بھاری بھاری توپیں دھول پور کی جانب حرکت کرچکی تھیں۔ شاہجہاں آباد اور سیکری کی محفوظ فوجیں طلب ہوچکی تھیں۔ خزانوں کی تھیلیاں اور اسلحہ خانوں کی کوٹھریاں کھول دی گئی تھیں اور ''تاج'' کے رخ کے تمام پردے بندھے ہوئے تھے اور ''سورج'' تاج کے کلس پر ٹنگا ہوا تھا۔ خواص خاں اور مبارک خاں مودب ہاتھیوں سے چنور ہلا رہے تھے اور شہنشاہ دیکھ رہا تھا کہ شاہزادہ سلیم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریائے لشکر میدانِ جنگ میں اکبری آفتاب کے طلوع ہوتے ہی سوکھ گیا اور شاہزادہ سلیم زنجیروں میں باندھ لیا گیا۔ پھر ملاحظہ فرمایا کہ آج سے بہت سال قبل جب وہ شاہزادہ خرم تھا اور نور جہاں کی سازشوں سے ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوگیا تھا اور اپناوہ تمام لشکر سمیت لیا تھا جس کی تلوار پر کابل اور راجپوتانہ اور دکن کی لڑائیوں نے سان رکھی تھی۔ اور جیسے ہندوستان کا تخت اس کے قدموں کے نیچے آچکا تھا۔ ظلِ الٰہی (جہانگیر) کے ورودِ مسعود کا غلغلہ ہوا۔ وہ سپہ سالار جن کے قبضۂ شمشیر میں فتح الفتوح کا آشیانہ تھا، آدابِ شاہنشاہی سے لرز گئے۔ آگ اور خون سے کھیلنے والا لشکر سہم گیا اور اس کو جہانگیری اقبال کے سامنے سر جھکا دینا پڑا۔ پھر ''نشیمن'' کے در و دیوار نے سنا۔

''اعلان ہو۔''

''کہ درشن عطا کیا جائے۔''

''مابدولت دربارِ عام میں جلوس فرمائیں گے۔''

ابھی ''درشن جھروکے'' کے نیچے حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی خلقت کی جے جے کار سے زمین و آسمان گونج ہی رہے تھے کہ دربارِ عام میں نقیبوں نے ظلِ سبحانی کے تخت طاؤس پر جلوس فرما ہونے کا اعلان کیا۔

نذریں قبول ہوئیں، خلعتیں پہنائی گئیں۔ ہاتھی اور گھوڑے عطا ہوئے، نقارے اور علم بخشے گئے۔ پھر پنڈت راج جگناتھ نے اپنا وہ مشہور قصیدہ پڑھا، جس کے یہ مصرعے زبانوں پر چڑھ گئے۔

दिल्लीश्वेरा वा जगदीश्वेरा मनोरथान पुरा र्थतु समप ।

अन्यार्न्द पालै परिदीयामान: णाञाम वा रथाल्लवणाप

वा समर्थ ।।

دلّی کا شہنشاہ دنیا کا شہنشاہ جتنے بادشاہ ہیں سب اس کے باجگذار ہیں اور دلّی کا شہنشاہ کسی بھی شخص کو کوئی بھی انعام دینے کی قدرت رکھتا ہے۔)

جب پنڈت راج خلعت ہفت پارچہ، مالائے مروارید، فیل آراستہ اور اسپ مرصع کے علاوہ ایک لاکھ روپے کا نقد انعام لے کر پیچھے ہٹ گئے تو شہنشاہ نے رستم خاں فیروز جنگ اور امیر الامراء نواب خلیل اللہ خاں پر نگاہ کی۔ فیروز جنگ نے سینے پر ہاتھ باندھ کر گوش گذار کیا۔

''زبردست توپ خانہ حرکت کرچکا۔ افواج قاہرہ آراستہ کھڑی ہیں اور ظلِ الٰہی کے حکم کی منتظر ہیں۔''

مدھم لیکن اٹل آواز میں شاہجہاں نے اعلان کیا۔

''عساکرِ شاہی اور وابستگانِ دولت کی وفاداری اور شجاعت کے مابدولت قائل ہیں۔ تاہم مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر بنفسِ نفیس اس مہم میں شرکت فرمائیں گے۔''

داراشکوہ نے کچھ عرض کرنا چاہا لیکن ظلِ الٰہی نے پہلو کے تکیوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ اور فاضل خاں نے تخت طاؤس کی سیڑھیوں سے ہوادار لگا دیا۔

○

ستارہ شناسوں کے قول کے مطابق شہنشاہ کو سترہ مئی کی صبح کوچ کرنا چاہئے تھا۔
پیش خانہ اکبر آباد کے باہر زہت باغ میں آراستہ ہو چکا تھا۔ سادھوؤں اور درویشوں کے بھیس میں اورنگ زیب کے جاسوس دارالخلافت میں منڈلا رہے تھے۔ نامہ بر کبوتروں کے پر سے اشاروں کنایوں کی زبان میں خبریں پہنچا رہے تھے۔ اورنگ زیب جو شاہجہاں کے سامنے میدانِ جنگ میں تلوار اٹھانے کا نتیجہ جانتا تھا، پوری کوشش کر رہا تھا کہ شہنشاہ قلعۂ معلّٰی سے برآمد نہ ہو سکے۔ روشن آرا نے شاہی اطبا کو تحائف بھیج کر اور ظلِ سبحانی کی صحت کے نام پر گذارش کی کہ شہنشاہ کو اس خطرناک سفر سے محفوظ رکھا جائے۔ امیر الامراء نواب خلیل اللہ خاں کو اورنگ زیب کے خفیہ پیغام ملے کہ شاہجہاں کے میدان جنگ میں اترتے ہی ہم آدھی لڑائی ہار جائیں گے اس لئے جس طرح بھی ممکن ہو ظلِ الٰہی کو سفر سے باز رکھا جائے۔ بوڑھے نواب نے جس کی خاندان چغتائیہ سے قرابت تھی اور جو آصف جاہ کا چشم و چراغ تھا، خلعت فاخرہ زیب تن کی اور ہاتھی پر سوار ہو کر قلعۂ معلّٰی کی طرف چل پڑے۔
جملہ خاں خواجہ سرا نے پیشوائی کی اور فاضل خاں حاجب بارگاہ نے نواب کی باریابی کی اجازت حاصل کی۔ شہنشاہ اس وقت مجلّٰی و معلّٰی و مرصع شیش محل میں تشریف فرما تھا۔ نواب نے کورنش کے بعد سر اٹھایا تو دیکھا کہ داراشکوہ، دیوانِ کل رستم خاں اور میر بخشی اس طرح ساکت کھڑے ہیں گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ شہنشاہ اونچی مسند سے پشت لگائے ایک پیر پر پیر رکھے گل تکیوں پر کہنیاں رکھے دراز ہے اور چہرے سے جلال ٹپک رہا ہے۔ امیر الامراء ابھی اپنے خیالات مجتمع بھی نہ کر پائے تھے کہ شہنشاہ نے مخاطب کر لیا۔
"کون اس نافہم (دارا) کو سمجھائے کہ جب مابدولت میدانِ جنگ پر نزول اجلال فرمائیں گے تو کم نصیب اور نامراد باغی اپنے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ باندھ کر حاضر ہو جائیں گے۔ اور اگر جنگ ہوئی تو سردارانِ غظام مابدولت کی نگاہ میں افتخار حاصل کرنے کے لیے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر دادِ شجاعت دیں گے۔ اور بدنصیبوں کے حلیف اپنے لشکروں

کے ساتھ ہماری حضوری کے شرف سے مشرف ہوں گے۔"
ظلِ الٰہی کے خیالِ مبارک کی تائید ہر بندۂ درگاہ کا فرض ہے۔ تاہم اس ازلی وفادار حکومت اور پشتینی نمک خوار دولت کی ناقص رائے میں "فلک بارگاہ" کا دارالحکومت سے حرکت فرمانا ضروری نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ دھرمت کی لڑائی شاہی لشکر کے ہاتھ سے نکل گئی۔ لیکن اس کا واحد سبب یہ تھا کہ چغتائی شہزادوں کے مقابلے میں خدام بارگاہ اس شجاعت کا اظہار نہ کر سکے جس کی ان سے توقع تھی لیکن جب مہین پور خلافت خاصانِ دولت کے ساتھ مقابلہ پر اتریں گے تو فتح یقینی ہو گی۔"
داراشکوہ سینے پر ہاتھ باندھے اور تند آواز میں بولا۔
"ہر چند کہ بارگاہِ عالم پناہی میں کچھ عرض کرنا بے ادبی ہے تاہم چونکہ یہ ہماری ناموس، زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اس لئے گذارش کرنا پڑتا ہے کہ اگر نصیبِ دشمناں مزاج مبارک اور ناساز ہو گیا تو دنیا کہے گی کہ بزدل اور نااہل دارا نے بیمار شہنشاہ اور شفیق باپ کو اذیت پہنچائی۔ عالم پناہ! اگر یہ بندۂ ناچیز ظلِ سبحانی کے دورِ مبارک میں اورنگ زیب کی باغیانہ اور غدارانہ حرکتوں کی سرزنش نہ کر سکا تو عمر بھر اس کی سازشوں کا شکار رہنا پڑے گا۔
ظلِ الٰہی کی دارالخلافت سے جنبش کے دونوں نتائج اورنگ زیب کے حق میں ہوں گے۔ شہنشاہ سے شکست باپ سے شکست ہو گی اور رحم کی حق دار ہو گی۔ اور اگر ہم پر مقدر کا عذاب نازل ہوا تو یہ اتنا بڑا المیہ ہو گا کہ آلِ تیموری کی تاریخ قیامت تک روتی رہے گی۔ مورخ اس بداقبالی کا تمام الزام کمترین خلائق کے سر تھوپ دیں گے۔
عالم پناہا! داراشکوہ اگر کامیاب ہوتا ہے تو ظلِ سبحانی کے اقبال کی برکت ہے اور اگر لوحِ محفوظ میں کچھ اور مقدر کیا جا چکا ہے تو وہ سب کچھ داراشکوہ کے نام لکھا جائے گا۔ فلک بارگاہ کی ذاتِ بابرکات اس داغ سے قطعی محفوظ رہے گی۔"
دیر تک سکوت رہا۔ حاضرین کی نگاہ طلاباف قالینوں کے پھول گھورتی رہی۔ پھر آواز آئی۔
"بابا (داراشکوہ) کیا تم شاہزادہ سلیمان کی فاتح افواج کی واپسی کا انتظار نہیں کر سکتے؟"

○

''امیرانِ عالی وقار جو اپنے مراکز سے حرکت کر چکے ہیں۔ مابدولت کے حضور میں ان کی باریابی تک جنگ سے گریز نہیں کر سکتے۔''

''ظلّ اللہ...... دھرمت کی فتح کے نشے میں چور باغی گستاخانہ بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ عالم پناہ اس منحوس گھڑی کا تصور فرمائیں جب معلوم دنیا کے ایک عظیم المرتبت شہنشاہ کی بارگاہ بے ادبی کا شکار ہوگی اور لشکروں کی حراست میں لے لی جائے گی۔''

عالم پناہ یقین فرمائیں کہ راؤ چھترسال ہاڑا کے سوار برق انداز خاں کا توپ خانہ باغیوں کی تباہی کے لئے کافی ہے۔

بندۂ درگاہ کی گزارش ہے کہ اعلیٰ حضرت قلعۂ معلّٰی میں جلوس فرمارہیں اور اپنی گراں قدر دعاؤں کے ساتھ غلام کو رخصتِ جنگ عطا فرمائیں۔''

تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد شہنشاہ نے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔

''رب العالمین اگر اس گنہگار کی کوئی نیکی قبول ہوئی ہو تو اس کے صدقے میں داراشکوہ بابا کو سرخرو کر۔''

پھر دونوں ہاتھ تکیوں پر رکھ دیئے جو دربار کی برخاستگی کا حکم تھا۔ سات سو نجومیوں، عالموں، سنتوں اور سادھوؤں نے حکم لگایا کہ صاحبِ عالم اٹھارہ مئی کو تین پہر دن چڑھے جنگ کے لئے سوار ہوں۔

اور پھر وہ دن آگیا جو قوموں اور ملکوں کی تاریخوں میں کبھی کبھی آتا ہے اور ملکوں اور قوموں کی تاریخ بدل دیتا ہے۔ خوابوں کو پریشان کر دیتا ہے۔ تعبیروں پر پہرے بٹھا دیتا ہے اور تقدیروں پر مہریں لگا دیتا ہے۔

قلعۂ معلّٰی کے باہر جمنا کے کنارے داراشکوہ کا مرمریں محل کھڑا تھا جس کی سرخ چہار دیواریوں، سفید گنبدوں اور محرابوں کا عکس پانی میں اس طرح نظر آرہا تھا جیسے سرخ مسند پر چند امیر سفید خلعت زیبِ تن کئے بیٹھے ہوں۔ پشتِ محل سے قلعۂ معلّٰی تک جمنا کے

دونوں کناروں پر ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں، بیلوں، خچروں، سپاہیوں اور سواروں کا ہجوم تھا۔ دارائی پیش خانہ اکبر آباد کے باہر ''باغِ فردوس'' میں آراستہ ہو چکا تھا۔ صبح کی کرن پھوٹتے ہی توپ خانۂ ہمرکاب کی بھاری توپیں پچاس پچاس بیلوں کے کندھوں پر سوار ہو کر چل چکی تھیں۔ پہلے پہر کی توپ چھٹتے ہی بادشاہ بیگم (جہاں آرا) داراشکوہ کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لا چکی تھیں۔ دوسرا پہر چڑھتے چڑھتے روشن آرا اور دوسرے شہزادوں اور شہزادیوں کی سواریاں ڈیوڑھی پر لگنے لگی تھیں۔ محل کے رو کار سے حدِ نگاہ تک دارا کی ذاتِ خاص سے وابستہ پچپن ہزار مغل راجپوت، سید اور ازبک سوار خود اور بکتر اور چہار آئینہ پہنے ہتھیاروں میں جکڑے گھوڑوں کی راسیں تھامے کھڑے تھے۔ دیوانِ عام کی شہ نشینوں کے سامنے جگت آچاریہ کبت رائے اور مہاسنت ملکھان داس اپنے سیکڑوں چیلوں اور نجومیوں کے ساتھ آشیرباد دینے کو حاضر تھے۔

اندر کنیزیں صاحبِ عالم کو جہانگیری بکتر اور اکبری خود پہنا چکی تھیں۔ خود کی درمیانی کلغی پر ہیرے کا ہلال روشن تھا۔ خاموش جہاں آرا بارگاہ کے اندر آگئی۔ سلطان پرویز کی بیٹی اور داراشکوہ کی اکلوتی بیگم جہاں آرا کے سامنے سے ہٹ گئی۔ پھر صدقات سے بھرے ہوئے سونے چاندی کے خوان سروں پر دھرے ہوئے خواجہ سراؤں کے پرے ایک دروازے سے آتے، صاحبِ عالم کے دستِ مبارک کا بوسہ لیتے، اور دوسرے دروازے سے جاتے رہے۔ جہاں آرا جو ممتاز بیگم کے وصال کے بعد سے نہ صرف قلعۂ مبارک بلکہ کشورِ ہندوستان پر احکامات صادر کرنے کی عادی ہو چکی تھی آج خاموش تھی جیسے کسی ناقابلِ فہم خوف نے قوتِ گویائی سلب کر لی ہو۔ جب جی امڈنے لگتا اور پلکیں نم ہونے لگتیں تو اپنے آپ کو کسی خیال یا کام میں مصروف کر لیتی۔ ایسا ہی ایک لمحہ آگیا۔ ہر چند کہ حسن آرا کے صدقات باریاب ہو رہے تھے۔ تاہم وہ خوان پوش ہٹا ہٹا کر اشرفیوں اور روپیوں کے ڈھیر برابر کرنے لگی۔ جب یہ کام بھی ختم ہو گیا اور روشن آرا اور حسن آرا کے امام ضامن باندھے جانے لگے تو وہ چونکی اور سامنے زرّیں طباق سے امام ضامن اٹھا کر دارا کے آہن پوش بازو پر باندھنے لگی۔ لرزتی کانپتی انگلیوں سے گرہ لگاتے ہوئے رقت کا ایسا غلبہ ہوا کہ شہزادے کے بازو پر سر رکھ دیا اور مرصّع بکتر کے سینے پر اپنی آنکھوں کے موتی جڑ دیئے۔ منہ سے ایک لفظ کہے بغیر پوری قوت سے اپنے آپ کو سنبھال کر دونوں ہاتھوں میں دارا کا

چہرہ لے لیا۔ اور خشک ہونٹوں سے خود کے نیچے جھانکتی ہوئی پیشانی چوم لی اور بجلی کی طرح بارگاہ کے باہر نکل گئی۔ روشن آرا کے باہر جانے کے بعد بیگم جو غلام گردش میں کھڑی قرآن پاک تلاوت کر رہی تھی اندر آئی۔ دارا کے سینے پر دم کیا اور سر رکھ دیا۔

برآمد ہوتے ہی جگت آچاریہ نے ڈنڈوت کے بعد اپنے ہاتھ سے ماتھے پر تلک لگایا۔ مہاسنتھ نے بائیں بازو پر زردانوں کی مالا باندھ دی۔ دربار سے وابستہ ادیبوں، شاعروں، عالموں، صوفیوں، موسیقی اور آلاتِ موسیقی کے ماہروں نے فتح کی دعائیں اور بشارتیں پیش کیں۔ سید جعفر برق انداز خاں میر آتش کے اشارے پر ''فتح جنگ'' نامی ہاتھی سامنے لایا گیا۔ داہنے پیر پر جھک کر سونڈ پیشانی پر رکھی اور چیخ کر سلام کیا۔ نقرئی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی نقارے پر چوب پڑی اور نوبت خانے پر نوبت بجنے لگی۔



شہنشاہ تختِ طاؤس پر جلوس فرما تھا۔ گرز بردار اور شمشیر زن، یساول اور والا شاہی، نقیب، حاجب اور چیلے، خواجہ سرا اور خدمت گزار، منصب دار اور راجگان خواتین اور نوابین دستور کے مطابق اپنی اپنی جگہوں پر ممکن عاجزی اور خاکساری کے ساتھ کھڑے تھے۔ امیروں کے وکیل، شعبہ جات حکومت کے معتمد، سائل اور مظلوم اور مظلوموں کے بھیس میں جاسوس سبھوں کا غیر معمولی ازدحام تھا۔ امرائے کبار اپنے مشہور اور مقرب ہمرکابوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں جانے سے پہلے آخری سلام و دیدار کو حاضر تھے۔ ''گلال باڑ'' پر دیوان کل کھڑا ہوا نذریں قبول کر رہا تھا۔ طوغ و علم، طبل و نقارے، ہاتھ گھوڑے اور مال و جاگیر بخش رہا تھا۔ لیکن بوڑھے شہنشاہ کی نگاہ نوبت خانے کے پھاٹک پر جمی تھی۔ پھر دارا شکوہ اپنے خدم و حشم کے ساتھ نمودار ہوا۔ اس کے جلو میں ناقابل شمار کمار اور کنور اور خان اور امیر اور نجیب چل رہے تھے۔ جہاں سے تختِ طاؤس نظر آیا وہیں سے کورنش کرتا ہوا آگے بڑھا۔ شہنشاہ کے خدوخال تبسم سے منور ہو گئے۔ دارا اپنے تخت پر متمکن ہونے کے بجائے تختِ طاؤس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ظلِ سبحانی نے دستِ خاص سے اس کی نذر قبول کی اور پانچ ہاتھی معہ عماری زرّیں، سات گھوڑے باساز مرصع، خلعت خاصہ

ہفت پارچہ مع تمام رقوم جواہر، ایک لاکھ اشرفی اور دو کروڑ درم کا انعام عطا کیا۔ دارا ہر بخشش پر سلام کرتا رہا۔ مغلوں کے عہد زرّیں کی یہ پہلی مہم تھی جسے رخصت عطا کرتے وقت شہنشاہ ساکت تھا۔ مہین پور خلافت کو نصیحت نہ کی گئی۔ سپہ سالاروں کو ہدایتیں نہ دی گئیں۔ باغیوں کے ساتھ سلوک کے احکام نافذ نہ ہوئے۔ یتیموں، بیواؤں، بوڑھوں، امان مانگنے والوں، فصلوں اور باغوں اور مکانوں اور دوکانوں پر ظلم کی پاداش میں کوئی دفعہ مقرر نہ ہوئی۔ شہنشاہ سر سے پاؤں تک سفید لباس اور اپنے محبوب اور مشہورِ عالم جواہرات پہنے دوزانو بیٹھا تھا۔ گردن تکیوں سے لگی تھی۔ داہنے ہاتھ میں تسبیح تھی جو لرز رہی تھی دیوانِ عام کے ستونوں کے مانند حاضرین دربار ساکت کھڑے تھے۔ سبھی سانس روکے چل رہے تھے کہ دارا نے گزارش کی۔

''بندۂ درگاہ کو رخصت عطا فرمائی جائے کہ ساعت قریب آ پہنچی۔''

ظلِ سبحانی جو خلا میں کچھ ڈھونڈھ رہے تھے چونکے۔ دارا پر نگاہ کی۔ کمزور بیمار اور غمزدہ نگاہ کی۔ گل تکیوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ منظر ''دیوان کل'' نے سات سلام کئے۔ صاحبِ بارگاہ کی طرف دیکھا۔ گل بار سے نوبت خانے تک کھڑے ہوئے نقیبوں نے ایک ساتھ دربار عام کی برخاستگی کا اعلان کر دیا۔ ہزاروں سر گھٹنوں تک جھک گئے۔ ہاتھ سلام کرنے لگے۔ پاؤں اُلٹے چلنے لگے۔

اب دارا کے مقربین خاص اور قلعۂ معلّٰی کے مستقل خدمت گزاروں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ شہنشاہ کے، دارا شکوہ کے بوڑھے باپ کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ اور ایک ڈال کی تسبیح کے سبک، بجل، آبدار موتی ایک کے بعد ایک اسی طرح کانپتی انگلیوں سے گزر رہے تھے۔ پھر وہ اعتبار خاں اور مخلص خاں کے مضبوط ہاتھوں کے سہارے اٹھے۔ آہستہ آہستہ تختِ طاؤس کی سیڑھیاں اترنے لگے۔ یہ کہاں معلوم تھا کہ خود اپنے حکم سے بنوائے ہوئے تختِ طاؤس سے وہ آخری بار اتر رہے ہیں اور پھر کبھی بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ آخری سیڑھی پر دارا نے سر جھکا دیا۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ لے کر سیدھا کیا۔ سینے پر دم کیا۔ پرنم آنکھیں دارا کی مودّب آنکھوں میں ڈال دیں اور کھڑے کانپتے رہے جیسے لرزے کا حملہ ہو گیا۔ پھر قبلہ رو کھڑے ہوئے۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بہانے آنسو پونچھ ڈالے کہ حاضرین..... آدابِ شہنشاہی سے واقف حاضرین پر راز فاش نہ ہو۔ ہاتھ بڑھا کر دارا کو سینے سے لگا لیا۔ ہر چند کہ دارا کے بھاری بکتر کے کانٹے ناتواں

اورحریر پوش جسم میں گڑتے رہے لیکن دیر تک اسے کلیجے سے لگائے کھڑے رہے۔مقدس ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی دارا ایک قدم پیچھے ہٹ کر اتنا جھک گیا کہ اس کی آنکھوں سے چھلکتے ہوئے آنسو ملاحظہ نہ فرمائے جا سکیں۔سلام ختم ہوگئے لیکن وہ اسی طرح کھڑا رہا۔ جب آنکھوں کے وہ موتی جو تخت طاؤس سے کہیں زیادہ قیمتی تھے زردوز قالینوں میں کھو گئے تب دارا نے سر اٹھایا۔دیوانِ عام کی سیڑھیوں پر وہ رتھ کھڑا تھا۔جس پر نجومیوں اور پنڈتوں کے قول کے مطابق سوار ہو کر دکھن کی طرف لڑائی کے لئے نکلنا انتہائی مبارک تھا۔شہنشاہ نے آنسوؤں سے دھندلی آنکھوں سے آخری بار۔ ...شاید ہمیشہ کے واسطے آخر بار دارا کو دیکھا اور ہاتھوں کو اس طرح جنبش دی گویا فرما رہے ہوں۔

''آج سب کچھ لٹ گیا۔''

دارا ایوان عام کے درمیان سے گزرنے لگا کہ دیوانِ کل نے ہاتھ جوڑ کر گزارش کی۔

''عالم پناہ کے مراحم خسروانہ کا حکم ہے کہ صاحب عالم یہیں رتھ پر جلوہ افروز ہوں۔''

دارا نے اس اعزاز کے شکر میں جو کسی مغل شہزادے کو مغل شہنشاہ سے نصیب نہ ہوا تھا ظلِ سبحانی کی طرف دیکھا جو گلال بار میں یشب کے عصا پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑے تھے اور ساتھ سلام کئے اور اس رتھ پر پاؤں رکھ دیا جس کے پہیے تک سونے کے پتروں سے منڈھے ہوئے تھے۔چاروں گھوڑے جواہرات میں گندھے ہوئے تھے۔اس کے سوار ہوتے ہی نوبت خانے کے دہل گرجنے لگے۔نقارے دھمکنے لگے اور توپیں سر ہونے لگیں۔ نعروں، جے جے کاروں اور مبارکبادوں سے زمین و آسمان بھر گئے۔

داراشکوہ کا رتھ مخمل سے سرخ راستوں پر سونا بکھراتا ہوا نوبت خانے سے گزر چکا تھا۔روشناس خدمت گذار اسے رخصت کرنے باہر جا چکے تھے۔دیوانِ عام کا مہتمم معتمد خاں تھوڑے سے خاصانِ دولت کے ساتھ حاضر تھا۔پشت پر اعتبار خاں اور مخلص خاں موجود تھے۔اور وہ چہل ستون ایوان جو اپنے عجائبات کے لئے ساری دنیا میں افسانہ بن چکا تھا۔اب ایک مرصّع تابوت کے مانند ویران تھا۔اسی ایوان میں بیمار اور بوڑھا شاہجہاں کھڑا تھا۔رخساروں پر آنسوؤں کی لرزاں لکیریں تھیں۔سفید داڑھی پر چھوٹے چھوٹے موتی دمک رہے تھے۔اور عصائے شاہی اس کے ہلکے سے بوجھ کو سنبھالے ہوئے تھا۔پھر تخت طاؤس کی پشت سے اطبائے شاہی کی قطار بے آواز قدم رکھتی طلوع ہوئی اور گوشۂ چشم سے

مشورے کر کے تخت کے داہنے بازو پر کھڑی ہوگئی۔کشور ہندستان میں کس کی مجال تھی جو یہ گوش گزار کرنے کی جسارت کرتا کہ ظلِ الٰہی دولت خانہ خاص میں نزول اجلال فرمائیں۔

پھر بادشاہ بیگم (جہاں آرا بیگم) کا خاص خواجہ سرا خوش بخت خاں سامنے آ کر کورنش ادا کرنے لگا۔کچھ دیر بعد نگاہِ شاہ نے نوازش فرمائی تو معروض ہوا۔

''علیا حضرت بادشاہ بیگم دیدارِ ظلِ الٰہی و جہاں پناہی کے لئے مضطرب ہیں لیکن اعلیٰ حضرت اسی طرح کھڑے تھے۔گویا خواجہ سرا کے لئے اس عرض داشت کا پیش کرنا ایسا ہی معمول کے مطابق تھا جیسا کہ زمین بوس ہو کر سلام کرنا۔

دھول پور ایک منزل تھا کہ قرادلوں نے پرچہ لگایا کہ ''اورنگ زیب'' دریائے چنبل کے نزدیک آ گیا ہے اور اس کا ہراول گھاٹ پر تعینات شاہی لشکر کو چھیڑنے لگا ہے۔ معصوم، عالم، فلسفی، شاعر، مصنف اور صوفی داراشکوہ جس نے عہد شاہجہانی کی کسی بغاوت کو فرو نہ کیا تھا، کسی قلعے کو سرنگوں نہ دیکھا تھا، کسی جنگ کے فیصلہ کن لمحوں کی قہرمانیت کو انگیز نہ کیا تھا اس خبر سے محظوظ ہوا۔پھر حریدپرنیاں پہنے ہوئے شتر سوار علاقہ چنبل کے زمینداروں کے نام فرامین لے کر اٹھے کہ پچاس میل کے علاقے کے اندر جتنی اور جس کی کشتیاں ہوں ضبط کر لی جائیں اور خود ساٹھ ہزار آہن پوش سواروں اور پیادوں کے بھاری لشکر کو رکاب میں لے کر اڑا اور چنبل کے گھاٹوں پر گھٹا ٹوپ بادلوں کی طرح چھا گیا۔امیرانِ آتش کے جلو میں بنفس نفیس گھوڑے پر سوار ہو کر چنبل کے اتاروں کے نشیب و فراز ملاحظہ کئے۔ٹیلوں اور فرازوں کا انتخاب کیا۔کشور کشا، گڑھ بھنجن، عتاب شاہی، قہر عالم اور فتح مبارک نامی مشہور توپوں کی نشست گاہیں متعین کیں۔دمدمے بنائے جانے کے احکام صادر کئے۔پانچ ہزار شتر سوار زنبوریں اور تفنگیں تعینات کیں اور فلک بارگاہ نام کی سُرخ بارگاہ کو اونچے چورس میدان پر برپا کئے جانے کا حکم دیا۔

اکیس اور بائیس مئی کی درمیانی رات، توپ خانے کے بیلوں، خچروں، ہاتھیوں اور آدمیوں کی چیخ پکار سے کانپتی رہی۔پانچ پانچ سو بیل اور دس دس ہاتھی ان توپوں کو جو ایک من کا گولہ پھینکتی تھیں ڈھکیل ڈھکیل کر ان مقامات تک پہنچاتے رہے جو ان کے لئے تجویز ہوئے تھے۔پچیس ہزار راجپوت اور دس ہزار مغل سوار ساری ساری رات ہتھیار لگائے گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھے رہے کہ کہیں دشمن شب خون نہ مار دے۔اب داراشکوہ بھی جس کی

مٹھی میں ساٹھ ہزار تلواروں کے قبضے تھے فاتح دھرمت سے ڈرنے لگا تھا۔

سرخ بارگاہ کے درمیانی درجے میں جو سرخ قناتوں سے گھرا ہوا تھا اور گلال بار کہلاتا تھا۔ سفید چاندنی پر زرد مخملیں قالین بچھے تھے۔ صدر میں تخت زرنگار آراستہ تھا۔ سامنے ہلال کی صورت میں سنت، سادھو، یوگی، درویش، عالم، فلسفی، شاعر، منصف، نجومی اور رمال اپنے اپنے مرتبوں کے مطابق دوزانو بیٹھے تھے۔ جھاڑوں اور کنولوں کی روشنی میں ان کے لباس کے تار اور ہتھیاروں کے جواہر جگمگا رہے تھے۔ دارا نے اپنے تخت پر سفید مہین ریشم کے جامے پر بھاری کمربند اور سر پر موتیوں سے سفید مندیل پہنے فرشتے کی طرح جمیل اور جلیل نظر آ رہا تھا۔ پھر راؤ چھتر سال ہاڑا کھڑا ہوا اور ہاتھ باندھ کر گزارش کی، مہابلی (دارا) کی شان میں ایک کوِتا شروع کی ہے۔ حکم ہو تو کچھ چھند پیش کروں۔ دارا اپنے خیالوں کے حصار سے باہر نکلا اور اونچی آواز میں اجازت عطا کی۔ راؤ نے سلام کے بعد سنانا شروع کیا۔

"اے صبح کے ستارو!
کتنی راتوں سے میری شب بیداریوں کے شریک ہو۔
دھرتی پر اتر آؤ تو میں تم کو انعام دوں اپنے صاحبِ عالم کی جوتیوں میں ٹانک دوں"

دارا کے خوب کہتے ہی دربار داد و ستائش سے چھلک اٹھا۔ راؤ نے پھر عرض کیا۔

"اے پہلی رات کے چاند
تیرا مثل اگر مل جاتا
تو میں صاحبِ عالم کے سنہرے گھوڑے کی رکابوں کی جوڑی بنا لیتا۔
میں سمیر[1] کی کہانیوں کو جھوٹا سمجھتا تھا۔
لیکن صاحبِ عالم کو "فتح جنگ[2]" پر سوار دیکھ کر یقین آ گیا"

جب داد کا شور تھما تو راؤ نے پھر شروع کیا۔

"صراحی اور سروہی دو بہنوں نے
ساری دنیا کے مزے بانٹ لئے
آؤ! یہ رات صراحی کو بغل میں لے کر سو جائیں

۱ سونے کا پہاڑ
۲ دارا کا محبوب ہاتھی

اور صبح! سروہی کو کلیجے سے لگا کر بجلی کے گھوڑے پر سوار ہوں
اور...... اورنگ زیب کی گردن سے دھرمت کا حساب مانگیں۔"

آخری مصرعے پر راجپوتوں کے جنگی نعرے "جے ہری ہری" سے فلک بارگاہ ہلنے لگی۔ دارا نے گردن سے زردی مائل موتیوں کا ست لڑا ہار اتار کر راؤ کی طرف اچھال دیا۔ راؤ نے سلام کیا اور پہن لیا۔



چنبل کے جنوبی کنارے پر "فلک بارگاہ" سے پانچ میل دور اورنگ زیب کا ہلکا چھوٹا سیاہ مخمل کا سراپردۂ خاص کھڑا تھا۔ قناتوں کے حصار میں ہاتھی دانت کے تخت پر وہ فولاد کا لباس پہنے پا انداز پر پاؤں رکھے بیٹھا تھا۔ سامنے قالینوں پر وہ سپاہی بیٹھے تھے جنھوں نے اٹھارہ برس تک اورنگ زیب کے گھوڑے سے گھوڑا ملا کر تلواریں ہلائی تھیں۔ کابل سے گولکنڈہ تک اس کے قدموں کے لئے اپنے خون سے لال فتوحات کے قالین بچھائے تھے۔ جوانوں نے میدانِ جنگ میں گھوڑوں پر چڑھ کر تلواروں سے کھیلنے میں بچپن گزارا تھا۔ اور بوڑھوں کے بالوں کی ہر لٹ کسی نہ کسی جنگ کی کڑی دھوپ میں سفید ہوئی تھی۔ حضور میں کھڑے ہوئے خواجہ سرا تک ہتھیار بند اور آہن پوش تھے۔ پھر خان خاناں نجابت خاں حاضر ہوا۔ الٹی محراب کے مانند سیاہ داڑھی اور سروہی کی طرح کھڑی ہوئی سیاہ مونچھوں سے ہیبت ٹپک رہی تھی۔ ہر قدم پر اس کے بکتر کی زنجیریں بج اٹھتیں۔ نیام دامن سے ٹکرا جاتا۔ وہ تخت کے پاس ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا خبر ہے؟"

اورنگ زیب نے فوراً سوال کیا۔

"عالیجاہ کا اقبال بلند ہو۔ بھکو کا زمیندار جے کار سنگھ بندیلہ کہتا ہے کہ یہاں سے چالیس میل دور بہادر پور کے گنجان جنگل میں ایک خفیہ اتار ہے جس کا علم اس علاقے کے عام لوگوں کو بھی نہیں ہے۔ علاقہ دلدل کا ہے پانی کسی جگہ بھی چار فٹ سے اونچا نہیں ہے۔ اگر والا جاہ حکم فرمائیں تو لشکر اتار دوں۔"

اورنگ زیب نے تامل کے بعد پھر دریافت کیا۔

''توپیں...... ہاتھی...... گھوڑے...... رسد؟''

''ہاتھی تک کشتیوں کے ذریعہ اتارے جا سکتے ہیں۔''

''چالیس میل...... اس کی کیا ضمانت ہے کہ ببے کار سنگھ ہم کو فریب نہیں دے رہا ہے۔''

''داراشکوہ سے نفرت کے علاوہ اس کے بوڑھے باپ اور جوان بیٹوں کے سر ہمارے قبضے میں ہیں۔''

اورنگ زیب نے پہلی بار اثبات میں سر ہلایا۔

''ہماری گاڑیوں پر کتنی کشتیاں ہیں؟''

''پچاس بڑی اور دو سو چھوٹی۔''

میر سامان نصرت خاں نے عرض کیا۔

''ایک روپیہ فی کوس کے حساب سے گاڑی بانوں کو انعام دیا جائے اور کشتیوں کی گاڑیاں بہادر پور کے لئے فوراً روانہ کی جائیں۔''

''خانِ دوراں اور کنور رام سنگھ اٹھیں اور بہادر پور کے دونوں گھاٹوں پر قبضہ کر لیں لیکن اتنی خاموشی کے ساتھ گویا شب خون مارنے جا رہے ہوں۔''

''باقی تیس ہزار سوار اس طرح لشکر گاہ سے نکل کر ہماری رکاب میں حاضر ہوں کہ سلطان محمد مرزا کی نیند میں خلل نہ آئے۔''

اور ہم ایک گھڑی بعد سوار ہو جائیں گے۔

جب تمام امیر سراپردۂ خاص سے نکل گئے اور شاہزادہ مغرب کی نماز کے لئے اٹھنے والا ہوا تو خان خاناں نجابت خاں نے گزارش کی۔

''پیرو مرشد دو باتیں بندۂ درگاہ کی سمجھ میں نہ آسکیں۔''

''کیا؟''

اورنگ زیب نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''اول یہ کہ جب والا جاہ اورنگ آباد سے برآمد ہوئے تو برہان پور تک ایک منزل پر دس دس دن تک قیام فرما کر وقت گزر جانے دیا۔ اور اب جب کہ لشکر اتنی منزلیں مار کر تھک

گیا ہے تو ایک ایک لمحہ قیمتی تصور فرمایا جا رہا ہے اور یلغار پر یلغار کا حکم دیا جا رہا ہے۔''

اورنگ زیب نے تبسم کے ساتھ توقف کیا۔ پھر اس طرح بولا جیسے استاد شاگردوں کو مشکل سبق سمجھاتا ہے۔ ''اس وقت ہم رکاب امیروں پر بھروسہ نہ تھا۔ اور موقع دیا جا رہا تھا کہ سوچ لیں۔ اور میدانِ جنگ میں ساتھ چھوڑنے کے بجائے راستے میں ساتھ چھوڑ دیں۔ پھر اس لانبے وقفے میں ہم نے ان کے دل جیتنے کی بھی کوشش کی تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ شجاع کے مقابلے کی طرح کوئی سپہ سالار فوج لے کر نکلے گا۔ ہم اس کے نکلنے کا بھی انتظار کر رہے تھے۔ اس لئے ہر کوچ میں تاخیر کی جا رہی تھی۔ اب معاملہ برعکس ہے۔ امیر اور سردار آزمائے جا چکے۔ شاہی لشکر کی آخری تیسری قسط سامنے آ چکی۔ دشمن پر دھرمت کا خوف طاری ہے اور ہمارے لشکر کا دل شیر ہے اس لئے لڑائی میں عجلت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ سلیمان شکوہ کا لشکر آنے سے پہلے داراشکوہ کو تباہ کرنا آئینِ جنگ کے عین مطابق ہے۔''

اور پہلو بدل لیا۔

○

ابتدائی رات کے ہلکے اندھیرے میں تیس ہزار لشکر ہزار ہا کوتل گھوڑوں، بار بردار اونٹوں اور خزانے کی سانڈنیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو چکا تھا۔ صرف ایک مشعل کی روشنی میں شاہزادہ برآمد ہوا۔ جلو میں خان خاناں نجابت خاں خان جہاں اسلام خاں، راجہ نرپت سنگھ، راجہ دھرم دھر اور چمپت رائے بندیلہ وغیرہ چل رہے تھے۔ احتیاط کے طور پر سبزہ اور نقرہ گھوڑوں کے پاکھر سے نکلے ہوئے حصوں پر سیاہی مل دی گئی تھی۔ کسی کو مشعل جلانے کی اجازت نہ تھی۔ حکم تھا کہ جہاں تک ممکن ہو گھوڑے ڈھیلی باگوں میں چلائے جائیں۔ شاہزادے کے سر پر نہ علم کی پرچھائیں تھی اور نہ چھتر کا سایہ۔ وہ عام سپاہیوں کی طرح گھوڑا اٹھائے چلا جا رہا تھا۔

بارہ گھنٹوں کی مسلسل اور بھیانک یلغار کے بعد بہادر پور کے جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنبل کے دامن میں قدم رکھتے ہی جیکار سنگھ بندیلہ پانچ سو سواروں کے ساتھ سلام کو حاضر ہوا اور خبر دی کہ خانِ دوراں اور کنور پانچ ہزار سواروں کے ساتھ چنبل پار کر چکے۔ باقی

لشکر اتر رہا ہے۔ اورنگ زیب نے میر بخشی شیخ میر کی طرف گھوڑا موڑ کر حکم دیا۔

''راجہ جے کار سنگھ بندیلہ کو بہادر پور راج عطا ہوا۔ دس دس میل تک تمام علاقہ بہادر پور راج میں شامل ہوا۔ دو ہزاری منصب عنایت ہوا۔ دس ہزار اشرفیاں بخشی گئیں۔''

میر بخشی نے گھوڑے سے اتر کر کورنش میں جھکے ہوئے زمیندار کی کمر میں تلوار باندھ دی۔ دوسرے خادم کے ہاتھ سے مندیل لے کر خطاب راجگی کے طور پر پہنا دی اور راجہ کی رہبری میں تمام لشکر گنجان جنگلوں میں کھو گیا۔

زمین نرم ہونے لگی۔ گھوڑوں کے سم دھنسنے لگے۔ بلندیوں سے دریا نظر آنے لگا۔ گرم ترین دنوں کی گردتر دوپہر تپنے لگی۔ تب اورنگ زیب نے امراء کی گزارش پر آرام کا حکم دیا جو سرگوشیوں کے ذریعے لشکر میں پہنچایا گیا۔ نقارے اور طبل ساتھ ہی نہیں لائے گئے تھے۔ حاجب اور نقیب تک معطل تھے۔ کسی کو زور سے بولنے کی اجازت نہ تھی۔ جب شاہزادے نے اپنے گھوڑے کی پاکھر پر بیٹھ کر خود اتارا تو ایک خادم پنکھا لے کر کھڑا ہو گیا لیکن ابرو کے اشارے نے ہٹا دیا۔ اور اس نے عام سپاہیوں کے ساتھ تھوڑے سے خشک میوے چبا کر راجہ جیکار سنگھ کا لایا ہوا پانی پیا۔

ظہر کی نماز کے بعد دریا پر چڑھائی کی۔ بنفس نفیس گھوڑے سے کود کر دلدل میں پھاند پڑا۔ اور سارا لشکر خان دوراں کے قدموں کے نشانوں پر پاؤں گاڑتا چل پڑا۔ اوپر سیدھا آفتاب تھا اور نیچے گہرا دلدل اور جسم پر فولاد کا لباس اور سامان ضرورت تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں قیامت برپا ہو گئی۔ خود شاہزادہ کمر کمر تک دلدل میں دھنس گیا۔ میر بخشی اپنے گھوڑے کی لگام چھوڑ کر مدد کے لئے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا تو ڈانٹ دیا گیا۔ اورنگ زیب پیٹ کے بل سیدھا ہو گیا۔ آہستہ آہستہ پاؤں نکالے اور کسی نہ کسی طرح گھڑیوں کی شدید جان لیوا محنت و مشقت کے بعد پولے پولے پاؤں رکھتا آگے بڑھنے لگا۔ اور پوری گردن موڑ کر لشکر کو ملاحظہ کیا تو گردن گردن تک دلدل میں دھنسے ہوئے گھوڑے زبانیں نکالے ابلی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بے بسی سے مر رہے تھے، آدمی پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ پانی کی چھاگلیں دلدل میں دھنس گئی تھیں۔ اشرفیوں اور روپیوں کے اونٹ قہر آسمانی کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کے بلبلانے اور گھوڑوں کے ہنہنانے اور ہاتھیوں کے چنگھاڑنے کے علاوہ کوئی آواز نہ تھی۔ سپاہی مر رہے تھے لیکن اورنگ زیب کے خوف سے چیخ نہ سکتے تھے، فریاد نہ کر سکتے تھے، مدد کے لئے پکار نہ سکتے تھے۔ آنکھوں کے سامنے ٹھنڈے پانی اور میٹھے پھلوں سے لدے اونٹ کھڑے تھے چل رہے تھے۔ دھنس رہے تھے لیکن پیاس سے مرتے ہوئے انسان کو ایک قطرہ میسر نہ آ سکتا تھا۔ آہنی ارادے اور فولادی اعصاب کا اورنگ زیب آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ ایک بار اس نے دیکھا کہ داہنے بائیں، آگے پیچھے ہزارہا انسان مکڑی کے جال میں پھنسے ہوئے کیڑے مکوڑوں کی طرح مر رہے ہیں یا مر چکے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو تھوڑا سا موڑ کر لشکر کو حوصلہ دیا۔

''دلاورو...... اگر ہم صحیح و سلامت واپس ہو سکتے تو واپس ہو جاتے لیکن اب پیچھے قدم ہٹانا آگے بڑھنے سے کہیں خطرناک ہے، اس لئے خدائے بزرگ و برتر کا نام لے کر یلغار کرو۔ چنبل کی فتح نصف جنگ کی فتح ہے۔

پھر میلوں تک چنبل کا میلا گدلا پانی انسانوں اور جانوروں سے بھر گیا۔ اورنگ زیب دریا میں کھڑا رہا۔ خدمت گزار اس کا بکتر دھوتے رہے۔ خان دوراں اور کنور رام سنگھ سلام کو حاضر ہوئے اور لشکر کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ پانچ ہزار جانیں ہزارہا سواریاں اور لاکھوں کا سامان چنبل کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ہر چند کہ سوار اور گھوڑے شدائد سے چور تھے لیکن دریا کے مشرق میں بڑھ کر بلند اور محفوظ مقامات پر قبضہ کر لیا۔ کشتیوں سے لدی گاڑیاں جو چیونٹی کی قطاروں کی طرح رینگتی نظر آ رہی تھیں نئے حاصل کئے ہوئے بہتر کناروں پر لگا دی گئیں۔ شاہزادہ مراد سے درخواست کی گئی کہ باقی لشکر اور تمام ساز و سامان اور توپ خانے کے ساتھ اٹھے اور کشتیوں کے ذریعہ دریا پار کر کے آ ملے اور خود راجہ جے کار کے خیموں میں جو کمار رام سنگھ کی نگرانی میں آراستہ کئے گئے تھے آرام کے لئے داخل ہوا۔

○

اکبر آباد سے آنے والی سڑک پر روپہلی پاکھریں، نقرئی جھانجھیں، زریں ہمیلیں، گردنیاں اور گھنگھرو پہنے عربی سانڈنیوں کا ایک دستہ اپنے پیچھے دھول کے بادل اڑاتا نظر آیا۔ بارگاہ دارا کی رو کار کے سامنے اتر پڑا۔ اخلاص خاں نے مسلح اور مقرب خواجہ سراؤں کا استقبال کیا اور حکم دیا کہ پھلوں اور شربتوں سے تواضع کی جائے۔

میلوں تک کا علاقہ لشکر گاہ کی روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ ''فلک بارگاہ'' روشنیوں کے لباس پر فانوس کے جواہرات پہنے کھڑی تھی۔ اندرونی درجوں کے سامنے چھڑکاؤ کیے ہوئے سطح صحن میں چاندنیوں پر زردوزی قالین آراستہ تھے۔ قلب میں سرخ نمگیرے کے نیچے سونے کے تخت پر اونچے تکیوں سے پشت لگائے دارا دوزانو بیٹھا تھا۔ زرکار چھت میں فانوس روشن تھا جس کی روشنی میں دارا ایک خط پڑھ رہا تھا۔ خواجہ سراؤں کی ایک قطار مور کے پروں کے فرشی پنکھے ہلا رہی تھی۔ سامنے رستم خاں فیروز جنگ اور راؤ چھترسال ہاڑا مودب بیٹھے تھے۔ امیر الامراء کی نشست خالی تھی۔ سرپوش سے ڈھکا ہوا سنہرا اگالدان ان کی نشست کے سامنے ابھی تک رکھا تھا۔ دارا نے خط کو خریطہ زرّیں میں ڈال دیا۔ ستاروں میں گوندھی ہوئی بالوں کی لٹ کے مانند جگمگاتی سنک کی نے اٹھالی۔ فیروز جنگ نے گذارش کی۔

''سلطان سلیمان اب کتنی دور ہیں صاحب عالم؟''

''آہ...... رستم...... تم نے کیا ذکر چھیڑ دیا۔ کیسے کیسے سلیمان ہم نے ایک سلیمان کے لئے کھو دیئے۔ عمر بھر کے آزمودہ کار رفیقوں، بے جھجک سپاہیوں اور دور اندیش سورماؤں کو اس کے ساتھ کر دیا...... محبت...... محبت عقل کی دشمن ہوتی ہے۔''

''صاحبِ عالم اتنا افسوس نہ فرمائیں...... سلطان آ جائیں گے...... ہم ان کا انتظار کریں گے۔''

''ہم کو یدھ میں پہل کرنے کی جلدی کیا ہے۔ صاحب عالم! چنبل ہماری تلوار کی چھاؤں میں بہتا ہے۔ ایک ایک گھاٹ پر ہمارا نیزہ کھڑا ہے اور ہم اپنے گھروں میں براجتے ہیں۔ اور سلطان کی راہ تکتے ہیں۔''

پھر ہمدم خاں خواجہ سرا باریاب ہوا۔ گھٹنوں پر گر کر گوش مبارک میں سرگوشی کی۔ دارا نے تامل کے بعد پہلو بدل لیا اور دربار برخاست ہو گیا اور شبنم خاں کے ہاتھ سے بادشاہ بیگم (جہاں آرا) کا خط لے کر پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے نگاہ اٹھی تو ہمدم خاں کے برابر کھڑے ہوئے خواجہ سرا کے داہنے ہاتھ کی انگلی پر جم کر رہ گئی۔ جائزہ لیا تو زرہ بکتر میں بھی کمر باریک اور سینہ مردوں سے کہیں بھاری معلوم ہوا۔ فوراً مخاطب ہوا۔

''تمہارا نام؟''

خواجہ سرا برق کے مانند تین قدم پیچھے ہٹا اور سلام کو جھک گیا۔

''شبنم خاں!''

''ظلِ جہاں پناہی۔''

''اجنبی کا خود اتارلو۔''

تسلیم میں خم خواجہ سرا کا خود اترتے ہی سرخ موباف میں بندھے ہوئے سیاہ ریشمیں بالوں کا ڈھیر کھل گیا۔ دارا کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔ ابرو کو جنبش ہوئی۔ شبنم خاں نے سیدھا کر کے بالوں کا نقاب اِدھر اُدھر کر دیا۔

''لالہ......؟''

''لالہ رخ۔''

''لالہ بدن۔''

''لالہ صفت۔''

ہر خطاب پر اس نے گردن جھکا کر سلام کیا۔

''قندھار۔''

''قندھار کی یادگار مہم سے رخصت ہوتے وقت مابدولت نے تمہیں جعفر کے حوالے کر دیا تھا۔''

''اس کے بعد پھر کبھی تم ملاحظے میں نہ آئیں۔''

دارا کی نگاہ نے اس کے تمام بدن کا طواف کر لیا۔

''جعفر نے ہمارے بخشے ہوئے انعام کا احترام کیا...... تمہیں پھول کی طرح رکھا، خوشبو کی طرح برتا ہے۔''

''اسی طرح روشن۔''

''شاداب۔''

''معطر۔''

''لیکن اس طرح بھیس بدل کر آنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''محظوظ ہوئے۔''

''تم نے مابدولت کو تحیر کی مسرت نذر کرنا چاہی۔''

''قبول ہوئی۔''

"مقبول ہوئی۔"

"محترم خاں۔"

"ظلِ شاہجہانی۔"

"قبل اس کے کہ لالہ جعفر کی قیام گاہ پر جائے خلعت ہفت پارچہ معہ رقوم جواہر عطا ہو۔ اس نے رنجور دارا کو خوش کن لمحوں کی یاد دلا کر مسرور کیا۔"

"معدلت پناہ۔"

لالہ نے پانداز پر سر رکھ کر گزارش کی۔

"خاک پا..... صولت جنگ کے حکم کے خلاف حق نمک ادا کرتے در دولت پر حاضر ہوئی ہے۔"

دارا نے سر جھکا لیا..... سیاہ چنگیزی ابرو ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

"مابدولت تمہاری بات سمجھنے سے قاصر ہیں۔"

"مقربین بارگاہ کو حکم عطا ہو کہ کنیز کی باریابی راز رکھی جائے۔"

"عطا ہوا۔"

"خاکِ پا کی آخری گذارش ہے کہ تخلیے کا حکم صادر فرمایا جائے۔"

دارا نے نگاہ اٹھائی۔ لالہ سرو کی طرح سیدھی کھڑی تھی۔ گلابی چہرے سے پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"ہمدم خاں...... اس کا بکتر اتار دو۔"

بکتر سے لالہ اس طرح نکلی جیسے نیام سے صیقل کی ہوئی شمشیر نکلتی ہے۔

"تخلیہ۔"

سفید ریشم کی پشواز اور سفید اطلس کے جلد بدن پائجامہ میں لالہ چند گزوں کے فاصلے پر کھڑی چمک رہی تھی۔ مہک رہی تھی ــــ عمر اس کے جسم سے خراج لینا بھول گئی تھی۔ وقت کا دھول اڑاتا ہوا کارواں اس کے بدن سے دور دبے پاؤں گزر گیا تھا۔ کسی بال پر خاکستر کا ایک ذرہ تک نہ تھا۔ کسی عضو پر شکن نہ تھی۔ کسی حادثے کا نقش پا نہ تھا۔ جیسے ابھی ابھی مال غنیمت کے اونٹوں سے اتار کر لائی گئی ہو۔ پھر ہاتھ باندھ کر معروض ہوئی۔

"سید جعفر صولت جنگ میر آتش شاہزادۂ سوم (اورنگ زیب) کا جاسوس ہے۔"

جیسے بندوق سے گولی نکلتی ہے۔ اس طرح لالہ نے ایک ہی سانس میں فقرہ اگل دیا۔ دارا نے سر سے پاؤں تک چونک کر اسے دیکھا۔ پھر اپنے آپ کو سنبھالا۔ ایک ایک لفظ پر زور دے کر گرجنے لگا۔

"بے ادب۔"

"اپنی بساط کو مت بھول۔"

"خاصانِ بارگاہ پر ایسے بھیانک الزامات لگانے کی سزا جانتی ہے؟"

"موت۔"

"ظلِ جہاں پناہی! بڑی بڑی سزاؤں کی آخری سزا موت۔"

"مابدولت تجھے اس وقت تک زندہ رکھیں گے جب تک تو ثبوت دینے سے عاجز نہ ہو جائے۔"

لالہ نے گریبان سے ایک پرچہ نکالا۔ کھول کر ہتھیلیوں پر رکھا اور گھٹنوں پر گر کر دستِ خاص کے سامنے کر دیا اور بولی۔

"حضرت سلامت! شاہزادۂ سوم (اورنگ زیب) کی تحریر نامبارک سے آشنا ہوں گے۔"

دارا نے کاغذ کا پرزہ پڑھا۔ پڑھتا رہا۔ حفظ ہو گیا۔ پھر کہنیاں زانو پر ٹیک لیں۔ پیشانی ہاتھوں میں چھپا لی۔

بادشاہوں اور امیروں کی صحبت یافتہ کنیز نے موقع و محل دیکھ کر بیان کرنا شروع کر دیا۔ ایک ایک تفصیل کے ساتھ قندھار کا پورا ماجرا بیان کر دیا۔ یہ بھی کہ محراب خاں کے تحائف کی نذر میں جعفر نے کس رنگ کی انگوٹھی پیش کی تھی۔ تھکی ہوئی نڈھال آواز میں دارا نے پوچھا۔

"یہ سلسلہ کب سے دراز ہے؟"

"قندھار سے صاحب عالم۔"

"قندھار سے؟"

"جعفر کو بوالہوسی نے غداری پر مجبور کیا۔ اور غداری کی سزا کے خوف نے اسے اورنگ زیب کی سازش کے دلدل میں ڈھکیل دیا۔"

"دولت پناہ اگر وقت عطا فرمائیں تو اس دعویٰ کی دلیل میں بھی خطوط پیش کئے جا سکتے ہیں۔"

دارا خاموش رہا۔

"کنیز کی نمک حلالی کی گزارش ہے کہ اعلیٰ حضرت امیر الامراء نواب خلیل اللہ خاں پر بھی اعتماد نہ فرمائیں۔"

"کیوں؟"

"کنیز کوئی ثبوت دینے سے عاجز ہے لیکن یہ علم رکھتی ہے کہ صولت جنگ امیر الامراء کے راز دار ہیں۔"

"محرم خاں! لالہ کو غسل کرایا جائے۔ خلعت پہنائی جائے۔"



دارا اسی طرح اپنے تخت پر بیٹھا تھا۔ اسی پہلو بیٹھا رہا۔ سفری جھاڑوں کی شمعیں تبدیل کر دی گئیں۔ مردنگ اور کنول جھلملانے لگے۔ مدت ہوئی آدھی رات کا گجر بج چکا تھا۔ باہر نرسنگھ بج رہا تھا۔ گھوڑوں کے سموں اور ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ کی تیز آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک راجہ اس کی بارگاہ کی حفاظت کا فرض انجام دے چکا تھا اور اپنے سواروں کے ساتھ رخصت ہو رہا تھا۔ اب دوسرا راجہ اس کی جگہ تعینات ہونے والا تھا۔ اخلاص خاں نے ڈرتے ڈرتے زمین بوس ہو کر التماس کیا۔

"حکم ہو تو خاصۂ مبارک (کھانا) چنا جائے۔"

"خواہش نہیں ہے۔"

نا ملائم اور بیزار آواز میں جواب عطا ہوا۔

اور پھر اپنے خیالوں کی دنیا میں چلا گیا جہاں غدّاریوں کے اژدہے پھنکار رہے تھے۔ سازشوں کی سولیوں کا جنگل ہونک رہا تھا۔ چور خنجر آستینوں کے نیام پہنے دلوں میں پیوست ہو جانے کے لئے تڑپ رہے تھے اور ان سب کے پیچھے ایک شخص کھڑا تھا جس کے جسم پر لباس شاہجہانی تھا۔ سر پر عمامۂ دینی، بائیں ہاتھ میں تسبیح تھی اور داہنے ہاتھ میں زندہ

خون سے رنگین تلوار۔

"یہ کیا ضروری ہے کہ لالہ سچ ہی بول رہی ہو۔"

کسی نے اس کے دل سے سوال کیا۔

"لیکن یہ خط۔"

اور وہ غضب سے کانپ اٹھا۔ تالی بجانے کے لئے زانو سے اٹھ گئے۔ لیکن لالہ طلوع ہو چکی تھی۔ جیسے آسمان سے زہرہ اترتی ہو۔ سیاہ مہین ریشم کی پشواز سے جھلکتی ہوئی بلند و بالا محرم پر موتیوں کی لڑیاں چمک رہی تھیں۔ سیاہ چست پائجامے سے جھانکتے ہوئے سفید گول ٹخنوں پر گھنگھرو بندھے تھے۔ کمر پر مرصع پٹکا کسا تھا۔ جس کے دونوں سرے گھٹنوں کے نیچے پڑے تھے۔ بازوؤں پر الماس کے جوشن، کلائیوں میں جڑاؤ جہانگیریاں، گلے میں مروارید کا ست لڑا ہار، آدھے سر پر چھایا ہوا جھومر، پیشانی پر ٹیکا، ایک ایک انگلی انگشتریوں سے آراستہ، کولھے پر زرنگار صراحی، زر سرپوش سے ڈھکا ہوا زریں طشت سر پر رکھا ہوا۔ اس دھج سے وہ آ رہی تھی۔ ہر قدم کو ہلکی سی ٹھوکر سے آراستہ کئے ساعت کی گردن میں غنا کے ہار پہناتی ہوئی تھم تھم کر آگے بڑھ رہی تھی۔ اسی چھب سے تخت کا طواف کرتی رہی نگاہ کو پڑھتی رہی۔ پھر اخلاص خاں تسلیم کرتا سامنے آیا۔ سنہری تپائیاں تخت کے سامنے لگا دیں اور الٹے قدموں ہٹ گیا۔ لالہ نے طشت رکھ دیا ہلکے سروں میں گھنگھرو چھیڑتی رہی۔ رنگین چٹکی سے سرپوش ہٹایا۔ شعب کے پیالے کو لبریز کیا۔ صراحی رکھ کر اس طرح پیش کیا کہ گویا وہ ساغر نہیں تاج ہندوستان حضور سے گزار رہی ہو۔ ساغر قبول کرتے وقت دارا کی نگاہ پشواز سے جھانکتے ہوئے کولھے پر پڑ گئی اور خیال آیا کہ اگر رکاب ٹوٹ گئی ہو تو اس پر پاؤں رکھ کر گھوڑے پر سوار ہوا جا سکتا ہے۔ اس خیال کے باریاب ہوتے ہی ذہن میں قندھار گھومنے لگا۔ ایک ایک واقعہ اس کے حضور سے کورنش ادا کرتا ہوا گزرنے لگا اور پھر اس نے وہ دھماکہ سنا جس کی بازگشت سے خون میں آگ لگ گئی اور دونوں ہاتھ بیساختہ مل گئے اور خواجہ سراؤں کی قطار ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

"رستم خاں اور چھتر سال کو حاضر کیا جائے۔"

اب لالہ ہلکورے لینے لگی تھی۔ قندھار کی لالہ کا بھرپور اور شاداب جسم اور پختہ اور شاداب ہو گیا تھا جسم کے فراز اور بلند ہو گئے تھے لذت پر صیقل ہو گئی تھی۔ چہرے پر کمال فن

کی تابانی آ گئی تھی۔ آنکھیں اعتماد کے غرور سے اور روشن ہو گئی تھیں۔ پھر نقیب کی آواز بلند ہوئی۔ لالہ الٹے قدموں چلتی پردوں میں غائب ہو گئی۔

راؤ چھتر سال کورنش ادا کر رہا تھا۔ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق کمر پر سامنے جڑاؤ کھپوہ جڑا ہوا تھا اور بائیں پہلو میں دو تلواریں جھوم رہی تھیں۔ ہاتھ کے اشارے پر تخت کے نزدیک کھڑا ہو گیا اور دارا کے تیور دیکھنے لگا۔ منھ سے ایک لفظ ارشاد کئے بغیر دارا نے اسے وہ خط دے دیا جو لالہ نے پیش کیا تھا۔ راؤ نے سر پر رکھا، پڑھا اور پھر سنا۔

"اٹھارہ برسوں کی بے محابا عنایتوں کا یہ وہ پھل ہے جو خاص ہماری تاب میں چنا گیا ہے۔"

پھر نقیب نے رستم خاں فیروز جنگ کی آمد کا اعلان کیا۔

نیزے کی طرح بلند محراب کے مانند بھاری جسم کا خان زرنگار چہار آئینہ پہنے خود میں پکھراج کی لمبی کلغی لگائے تسلیم کو جھکا ہوا تھا۔ دارا نے نگاہ اٹھائے بغیر حکم دیا۔ خان کو خط دے دیا جائے۔"

خان نے خط پڑھ کر ولی عہد کا چہرہ پڑھا۔ راؤ کی حاضری کے مطلب پر غور کیا اور سنگین دیو کے مانند خاموش کھڑا ہو گیا۔

"کوئی گھڑی گزرتی ہے کہ یہ خبر پیش کی جائے گی کہ ہمارے لخت جگر سلطان سلیمان نے مابدولت سے غداری کی اور لشکر شاہی کے ساتھ شجاع سے مل گیا۔ ہونہ دصولت جنگ...... برق انداز خاں...... میر آتش۔"

اور دارا کی آواز دانتوں میں پس گئی۔

"صاحبِ عالم ایک برق انداز خاں کی غداری پر اتنا ملال نہ فرمائیں۔ رکابِ عالی کے ہزارہا بندگانِ دولت ایک جنبشِ ابرو پر جانیں قربان کر دینے پر حاضر ہیں۔" خان نے تسلی دی۔

"یہ بھی مہابلی کا اقبال ہے کہ یدھ چھڑنے سے پہلے ہی اس کے کالے کرتوتوں کا پتہ چل گیا۔

بارگاہ کے باہر بہت سے گھوڑوں کے سموں اور ہتھیاروں کی ناوقت آوازیں بلند ہوئیں۔ اور دارا کی سماعت متوجہ ہو گئی۔ پھر نقیب نے اعلان کیا۔

"امیر الامراء وزیر الملک نواب خلیل اللہ خاں بہادر سپہ سالار لشکر شاہی۔"

"پیش ہوں۔"

اور خان کے ہاتھ سے خط لے کر دارا نے اپنی آستین میں رکھ لیا۔

بوڑھا نواب کورنش ادا کر رہا تھا۔ دارا نے ٹھنڈے لاتعلق لہجے میں سوال کیا۔

"نواب کی ناوقت حاضری اور وہ بھی سواروں کے ساتھ غور طلب ہے۔"

نواب سیدھا کھڑا ہوا کنکھیوں سے خان اور راؤ کو دیکھا اور جذبات سے عاری بھاری آواز میں بولا۔

"جو خبر میں لایا ہوں اس کی اہمیت کا تقاضہ تھا کہ نمک خوار دولت ہتھیار پہن کر اور خاصے کے سواروں کو رکاب میں لے کر حاضر ہو —— تاکہ حکم عالی کی تعمیل میں وقت ضائع نہ ہو۔"

"خبر بیان کی جائے۔"

دارا نے نواب کی خطابت سے بالکل بے نیاز ہو کر حکم دیا۔ نواب نے خالص قاصدوں کے سے لہجے میں گوش گزار کیا۔

"دشمن نے چنبل عبور کر لیا۔"

"چنبل...... چنبل عبور کر لیا......"

"کیسے...... یہ کیسے ممکن ہے۔"

"خادم بارگاہ کے ذاتی قراول خبر لائے ہیں کہ بہادر پور کے زمیندار چیکار سنگھ نے رہبری کی ہے اور یہاں سے چالیس پچاس میل دور کسی خفیہ گھاٹ سے لشکر اتار دیا ہے۔"

دارا جو تخت پر کھڑا ہو چکا تھا۔ خواجہ سراؤں کی قطاروں کی طرف دیکھ کر تند لہجے میں بولا۔

"برق انداز خاں۔"

"برق انداز خاں کو حاضر کیا جائے۔"



قلعہ اکبری کی مغرور فصیلوں پر لہراتے ہوئے شاہجہانی نشانوں کی جلیل پرچھائیوں کی بوڑھی جمنا بوسہ تسلیم دیتی گزرتی تھی اور مودب لہریں روضۂ مبارک (تاج محل) کا

پاؤں دھلاتی ہوئی جب آٹھ میل کا سفر طے کرلیتیں تو عماد پور کی جہاں گیری شکارگاہ اپنے محل دومحلوں اور درندوں چرندوں کو رکاب میں لئے اشنان کو کھڑی ملتی۔ اسی عماد پور کی سرخ شاہی عمارتوں اور سبز محفوظ رمنوں کے پیچھے ایک گاؤں آباد تھا۔ تاریخ جب کسی فرد پر مہربان ہوتی ہے تو اپنے آتشیں گھوڑوں کی لگام اس کے خاکی ہاتھوں میں سونپ دیتی ہے۔ اور جب کسی آبادی کی کوئی ادا بھا جاتی ہے تو اسے دائمی شہرت کا خلعت پہنا دیتی ہے۔ اس گمنام گاؤں کی میلی کچیلی پیشانی پر بھی تاریخ نے اپنے ہونٹ رکھ دیئے اور ساموگڑھ کا نام ہندوستان کی تاریخ میں محفوظ ہوگیا۔

''ساموگڑھ — ؟''

ساموگڑھ کے سینے پر وہ میزان نصب ہوئی جس کے ایک پلڑے میں روایت تھی اور دوسرے میں تجربہ تھا، ایک میں عقل تھی، دوسرے میں دل، ایک طرف سیاست تھی، دوسری طرف محبت، ایک طرف فلسفۂ وحکمت تو دوسری طرف شعروادب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک طرف تلوار تھی اور دوسری طرف قلم اور یہاں بھی قلم کو تلوار سے قلم ہونا تھا۔

ساموگڑھ کے قلب میں کھڑے ہوئے برگد کے دیوپیکر درخت پر چڑھ کر اگر کوئی دیکھتا تو اسے سامنے میدان پر چھائی ہوئی ڈوبتے سورج کی گلابی روشنی میں ایک الف لیلوی شہر نظر آتا۔ رنگا رنگ بارگاہوں، شامیانوں، خرگاہوں، سراپردوں، خیموں، سراچوں، قناتوں اور چھولداریوں کے محلات وباغات ومکانات آباد نظر آتے۔ وسط میں سات درجوں، پانچ کلسوں اور دو منزلوں والی قرمزی مخمل وزربفت وبانات کی وہ ''فلک بارگاہ'' کھڑی تھی جس کے ایک ایک اطلس پوش شہتیر کو روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت کے جلیل المرتبت شہنشاہ (شاہجہاں) کے آنسوؤں کی خلعت میں ملبوس دعائیں تھامے ہوئے تھیں۔ بارگاہ کے گرد سرخ بانات کی قناتوں کا حصار تھا جس کے چہار جانب پاکھروں میں ڈوبے گھوڑوں پر آہن پوش سواروں کا ناپیدا کنار سمندر موجیں مار رہا تھا اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے کلس، طوغ وعلم اور ماہی مراتب کی سنہری ڈانڈیں پکڑے غلاموں کی طرح کھڑے تھے۔ پیش گاہ کا لق ودق میدان سیکڑوں جنگی آراستہ ہاتھیوں سے لبریز تھا۔ دوسری تینوں سمتیں دارائی ''کارخانوں'' سے چھلک رہی تھیں۔ داہنی طرف رستم خاں فیروز جنگ اور بہادر سپہ سالار شاہی کی سبز قیام گاہ تھی۔ پیگوڈا کی مانند نکیلے کلس پر پنج ہزاری نشان اڑ رہا تھا اور پنج

سے دکن تک کی لڑائیوں میں جیتے ہوئے نشانوں کے سامنے مغل، اوزبک، ایرانی اور تورانی سپاہیوں کا ہجوم تھا۔ فلک بارگاہ کے بائیں بازو پر بوندی کے راجہ راؤ چھتر سال ہاڑا کی زرد منزل گاہ تھی جس کے روکار پر اکیاون لڑائیوں کے تمغے جھنڈوں کے لباس پہنے جھوم رہے تھے اور پیشانی پر بوندی راج اور ہاڑا راجاؤں کے موروثی علَم لہرا رہے تھے۔ راؤ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور ہواخواہوں کے نارنجی زرد اور گیروے رنگ کی منزل گاہوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ جنگلی اور کانٹے دار حد بندیوں کے دوسری طرف وزیرالملک امیرالامراء نواب خلیل اللہ خاں سپہ سالار شاہی کی آسمانی بارگاہ تھی۔ تین پشتوں سے وراثت میں آئی ہوئی ساری دولت وحشمت جیسے آج نواب نے باہر نکال کر ڈال دی تھی۔ باپ دادا کے وہ علم جو جہانگیر اور شاہجہاں کے دست خاص نے مرحمت فرمائے تھے بارگاہ کے نشیب وفراز میں اڑ رہے تھے۔ نواب پندرہ ہزار خوں آشام مگر مصلحت کوش تلواروں کے ساتھ جلوس کئے ہوئے تھا۔ عماد پور کو جانے والی سڑک پر سرخ محلات کے سائے میں جہاں شکار پر نکلا ہوا شہنشاہ قیام پذیر ہوتا تھا، راجہ رام سنگھ راٹھور کی زعفرانی منزل گاہ تھی۔ بارگاہ کے سامنے گیارہ پشتوں کے موروثی اور تین پشتوں کی خدمات جلیلہ کے انعام میں بخشے ہوئے شاہی نشان وعلم آسمان کی بلندیوں سے چشمک کر رہے تھے۔ راجپوتانے کے اکثر نامی گرامی خاندانوں کے چشم وچراغ راجہ کے سایۂ اقبال میں تلواریں چلانے نکل پڑے تھے۔ حکم شاہجہانی پہنچتے ہی راجہ سوار خاصہ کے ساتھ کوچ پر کوچ کرتا ہوا اکبرآباد پہنچا تو اطلاع ملی کہ ولی عہد سلطنت یلغار کر چکے۔ لشکر کو چنبل کی طرف روانگی کا حکم دے کر سلام شاہی کو باریاب ہوا۔ گراں قدر نذر پیش کی (جو اس نذر کے مقابلے میں کہیں معمولی تھی جسے ساموگڑھ کے میدان میں گزرنا مقدر ہو چکا تھا۔) خلعت ہفت پارچہ مع سات رقوم جواہر، شمشیر مرصع اور فیل آراستہ کا انعام لے کر یلغار کرتا ساموگڑھ پہنچا۔ خیام دارائی برپا ہو چکے تھے۔ دارا نے فلک بارگاہ کی پشت پر اترنے کا حکم دیا۔ راجہ کے داہنے بازو پر اُردو بازار تھا جس کے چاروں طرف اونٹوں، گھوڑوں، خچروں، بیلوں اور بھینسوں کا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ چمڑے، کپڑے، بورے، بھوس اور سرکی کے دورویہ مکانوں اور دکانوں میں ہاتھی گھوڑے سے لے کر نون مرچ تک کا شاہی بھاؤ پر سودا ہوتا تھا۔ اسی بازار میں وہ دکانیں تھیں جو اورنگ زیب کے خفیہ رسانی کے دفتروں کا کام کر رہی تھیں۔ غدار کانوں اور آنکھوں کے مشاہدے اور اخبار

اورنگ زیب کی خدمت میں پہنچائے جاتے تھے۔

سات سو نجومی آج تمام دن اس مبارک ساعت اور شبھ لگن کی جستجو کرتے رہے جو دارا کے لئے فتح کی بشارت لے کر طلوع ہونے والی تھی لیکن طلوع نہ ہوسکی۔ دارا نے جو نئے ہاتھی گھوڑے اور نئے غلام اور جواہر تک نجومیوں کے مشورے کے بغیر استعمال نہ کرتا تھا، آج تمام دن آخری مئی کی ناقابل بیان گرمی میں کھڑا اجلتا رہا۔ شعلوں کی چادر کے مانند تنی ہوئی دھوپ کے نیچے زرنگار فولاد کا لباس پہنے تمام لشکر کو رکاب میں سمیٹے کھولتا رہا۔ تیسرا پہلو ہوتے ہوتے سیکڑوں لشکری اور ہزاروں جانور پیاس اور لو کی شدت سے بیہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ مر گئے تھے۔ زوال آفتاب کے بعد لشکر کو واپسی کا حکم ملا تھا۔ بے پناہ جسمانی تھکن سے چور آدمی اور گھوڑے خنک سائے میں ڈھیر پڑے تھے۔ الٹے سیدھے دانے پانی سے پیٹ کا دوزخ بھر کر اس صبح کا انتظار کر رہے تھے جو سیہ بخت گھوڑے پر سوار ان کی طرف اڑتی چلی آ رہی تھی۔

اورنگ زیب کے سفری سراپردۂ خاص کے گرد سلاخ پوش محافظ دستہ اس طرح اپنے گھوڑوں کو بھڑائے کھڑا تھا جیسے کانٹے دار جھاڑیوں کی باڑھ کھڑی ہو۔ نیزوں میں پیوست مشعلوں کی لرزتی روشنی میں آنے والے اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے۔ سواروں کی دیوار ایک طرف سے پھٹ گئی۔ ”گلال بار“ میں کھڑے ہوئے چوبداروں نے اندر جا کر اجازت حاصل کی۔ واپس آ کر اپنے ساتھ امیروں کی جماعت کو باریاب کیا۔ اورنگ زیب چاندی کی چوکی پر جانماز بچھائے بیٹھا تھا۔ اکہرا کشیدہ جسم سر سے پاؤں تک سفید پوش تھا۔ اونچی فراخ پیشانی پر سفید مندیل کسی ہوئی تھی۔ موتیوں کا سرپیچ مرصع جھاڑ کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ سیاہ گھنے کھنچے ہوئے ابروؤں کے نیچے پتھریلی ٹھنڈی سیاہ ذہین آنکھیں روشن تھیں جن میں تیرتے ہوئے منصوبوں سے اپنی دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا مطلق العنان حکمراں خائف تھا۔ سیاہ پٹکے میں ایک ڈال کے نیلم کے دستے کا خنجر آویزاں تھا جس کی تڑپ مغل دارالسلطنت پر قہر الٰہی کی طرح مسلط تھی۔ زانوؤں پر وہ مضبوط ہاتھ رکھے ہوئے تھے جن میں تاریخ نے کشور ہند کا مقدر سونپ دینے کی قسم کھائی تھی۔ سامنے سونے کی رحل پر آخری صحیفۂ آسمانی زرتار جزدان میں بند رکھا تھا۔ یعنی سونے والا شہنشاہ ابھی تلاوت کلام پاک سے فارغ ہوا تھا۔ پشت پر بوڑھے منظور نظر مسلح خواجہ سراؤں کا دستہ صف باندھے

موجود تھا۔ پھر نقیبوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔

”خانِ دوراں ناصری خاں۔“

”خان خاناں نجابت خاں۔“

”بہادر خاں کوکلتاش۔“

”صف شکن خاں میر آتش۔“

”راجہ اندر دیمو تادھمدھرا۔“

”راجہ بھگونت سنگھ ہاڑا۔“

”خان کلاں ذوالفقار خاں۔“

”شیخ میر ادر خان زماں اسلام خاں۔“

باریاب ہونے والوں نے کورنش ادا کی۔ چوکی کے سامنے بچھی ہوئی سرخ مخملیں مسندوں پر اجازت کے شکر میں سلام کر کے دوزانو بیٹھ گئے۔ زرپوش خدام کی ایک قطار روپہلی کشتیاں لے کر حاضر ہوئی۔ انواع واقسام کے شربتوں کے کامدار بلوریں گلاس چن دیئے گئے۔ نقرئی گلوریوں سے بھرے ہوئے خاصدان رکھ دیئے گئے۔ ان تکلفات کے بعد اورنگ زیب نے نگاہ اٹھائی۔ حاضرین سراپا گوش ہو گئے۔ شاہزادۂ سوم پہلی بار مخاطب ہوا۔

”غنیم کا وہ بھاری توپ خانہ جس کا خوف یلغاروں سے چور ہمرکاب لشکر کے دل پر طاری تھا چنبل کے کناروں پر ہماری حفاظت میں بیکار پڑا ہے۔ ہماری کمک پر آنے والے لشکر آ چکے۔ سلیمان کی فوجیں یہاں سے سیکڑوں میل دور پڑی ہیں۔ دشمن سراسیمہ ہے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر ما بدولت فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہیں۔“

”آفریں......آفریں......آفریں......“

سپہ سالار جو سب کے سب اپنے پیچھے تاریخ رکھتے تھے یک زبان ہو کر گرجے۔

”لشکر میں خبر پہنچا دی جائے کہ آفتاب طلوع ہوتے ہی یلغار ہو گی۔“

ابرو کی جنبش سے دربار کی برخاستگی کا اعلان کیا۔ امراء دکن رخصت ہونے لگے۔ جب صف شکن خاں کورنش کو جھکا تو ابرو کی جنبش سے روک لیا گیا۔ تخلئے میں حکم ملا۔

”نصف رات کا گجر بجتے ہی جبل مرگ (توپ کا نام) کو تین بار داغ دیا جائے۔“

صف شکن خاں نے تسلیم میں سر جھکا دیا۔

○

چاندی کے پلنگ پر ریشمیں مچھر دان میں داراشکوہ اونچے تکیوں پر سر رکھے دارز تھا۔ خوبصورت رات کی خنک ہواؤں کے مرمریں لمس دن بھر کی شدید گرمی میں بے پناہ مشقت سے چور جسم کو سہلا رہے تھے۔ قالینوں سے آراستہ صحن کے کنارے ایک خواجہ سرا ہلکی خوابناک دھن میں رباب بجا رہا تھا۔ پلنگ کے چاروں طرف چار کمسن غلام ہاتھوں کے فرشی پنکھے ہلا رہے تھے لیکن دارا کا ذہن بے قرار تھا۔ ایک کش مکش میں مبتلا تھا۔ لالہ کی خبریں زہر میں بجھے ہوئے نشتروں کی طرح اس کی شہ رگ میں پیوست تھیں۔ برق انداز خاں کے قتل سے لشکر میں بے دلی اور بے چینی پھیل سکتی تھی۔ اورنگ زیب کے منصوبوں کا رنگ اور گہرا ہو سکتا تھا اور نواب؟ (خلیل اللہ خاں) نواب اگر غداری کرنا چاہتا تو سب سے بڑی غداری یہ کرتا کہ دشمن کے چنبل عبور کرنے کی اطلاع نہ دیتا۔ اس اہم خبر کو اتنی دیر تک روکے رکھتا کہ غنیم کو شب خون کا موقع فراہم ہو جاتا لیکن اس نے پہلی فرصت مین مطلع کیا۔ کاش سلیمان، دلیر خاں روہیلہ، راجہ میرزا، داؤد خاں بسنت کیسے کیسے کارگذار اور وفادار امیر ہماری خدمت سے جدا ہو گئے۔ کیسا بھاری اور آزمودہ کار توپ خانہ رکاب سے نکل گیا۔ توپ خانہ...... توپ خانے کی تو کمر ٹوٹ گئی۔ کیسی کیسی بے نظیر توپیں چنبل کے کنارے ہی چھوڑ دینا پڑیں۔ شاہی لشکر کی یہ پہلی جنگ ہو گی جس میں کوئی مشہور توپ شریک نہ ہو سکے گی۔ چنبل...... اس ناگن نے تو ڈس ہی لیا۔ چمپت رائے...... راجہ چمپت رائے بندیلہ۔ اس کمبخت کے ساتھ کیسے کیسے سلوک کئے۔ چتوڑ کی بغاوت میں اس کو شریک سمجھا گیا۔ عساکر شاہی کو سرکوبی کا حکم دے دیا گیا لیکن مابدولت نے یادری کی۔ علاقہ واگزار کیا۔ جان بحال کی اور اس نے ایسی غداری کی؛ جس کا گمان تک نہ ہو سکتا تھا۔ غداری کا تو جعفر (برق انداز خاں) سے بھی کبھی اندیشہ نہ ہوا۔

''دھوں...... دھوں...... دھوں۔''

دشمن کی کوئی بھاری توپ تین بار سر ہوئی اور خیالوں کے فانوس بجھ گئے۔ ایک لمحے کے لئے غلاموں کے ہاتھوں کے پنکھے تھم گئے۔ رباب کا سُر ٹوٹ گیا۔ شاید ہمیشہ کے

لئے ٹوٹ گیا اس نے چاہا کہ تالی بجا دے لیکن مصلحت نے ہاتھ پکڑ لئے۔ آواز تمام لشکر نے سنی ہو گی۔ امراء کو بھی کچھ سوچنے اور کرنے کا موقع دیا جائے۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ سرا تلک حاضر ہوا۔ گذارش کی۔

''امیر الامراء وزیر الممالک نواب خلیل اللہ خاں سپہ سالار لشکر شاہی در دولت پر حاضر ہیں اور ملتمس ہیں کہ اگر والا جاہ بیدار ہوں تو شرف باریابی عطا کیا جائے۔''

نواب کی آواز نے نواب کے چہرے پر لگی ہوئی سیاہی کو اور دھو دیا۔ پلنگ کے پائنتیں کھڑے ہو کر کورنش ادا کی پھر عرض کیا۔

''غلام ناقص رائے میں دشمن کا توپ خانہ حرکت کر رہا ہے۔''

''شب خون؟''

''نہیں صاحب عالم...... جنگ۔''

''جنگ کے لئے ہم تیار ہیں امیر الامراء۔''

''قراولوں کو حکم دیا جائے کہ غنیم کی جنبش کی تفصیلات حضور سے گزاری جائیں۔''

''نقیب لشکر کو آراستہ ہونے کا فرمان پہنچا ئیں۔''

فجر کی اذان ہوتے ہی دارا ''فلک بارگاہ'' کے گلال بار میں طلوع ہوا۔ بکتر کے سینے کی دونوں پلیٹیں آب زر سے لکھے ہوئے سنسکرت کے کلمات سے زرد تھیں۔ خود مرصع پر دو ہلالی کلغیوں کے درمیان یاقوت کا ناگ دیوتا پھن کاڑھے بیٹھا تھا۔ فولادی ساق پوش پر جواہر کا جال بچھا تھا۔ دونوں بازوؤں پر اندر اور شیو کی مورتیں بڑے بڑے پکھراج کے ٹکڑوں سے بنی ہوئی تھیں۔ امراء جلیل الشان نے کورنش ادا کی۔ مہاستھ نے فتح کی بشارت دی اور زرد مالا گردن میں پہنا دی۔ دارا نے فکر سے عاری آواز میں اعلان کیا۔

''مہاراؤ...... مہاراجہ چھتر سال ہاڑا دائی بوندی کو ہراول عطا کیا گیا۔ ہفت ہزاری منصب کے ساتھ بارہ ہزار سوار رکاب میں دیئے گئے...... داؤد خاں کو پشت پناہی پر مقرر کیا گیا۔''

شاعر، سپاہی، جنرل راجہ نے سات سلام کئے اور ایک شعر پڑھا جس کا مطلب تھا۔

''راؤ کو اگر ستر زندگیاں ملیں اور وہ تمام کی تمام مہابلی پر نچھاور ہو جائیں تو بھی مہابلی کے وشواس کا بدل نہیں ہو سکتا۔''

''مہاراجہ مرزا رام سنگھ راٹھور کو ہفت ہزاری منصب، بارہ ہزار سوار اور ''پیش

"قول" عنایت ہوا۔

راجہ کورنش ادا کر رہا تھا کہ دوسرا اعلان ہوا۔

"خانِ اعظم رستم خاں فیروز جنگ بہادر صوبے دارِ دکن بارہ ہزار لشکر کے ساتھ ہمارے بائیں بازو کی سربراہی پر مقرر ہوئے۔"

"امیر الامراء وزیر الممالک نواب خلیل اللہ خاں دستِ راست پر قائم کئے گئے۔"

تینوں اعزاز یافتہ سپہ سالاروں کو مغل شہنشاہی کے ان بیش بہا انعامات پر مبارکباد دی جا رہی تھی لیکن تقدیر جو تمام انعاموں اور عذابوں کی ماں ہے دور کھڑی ہنس رہی تھی۔

زرنگار فولادی گھنگھرو دار پاکھر پہنے آہنی مستک پوش میں سونڈ چھپائے لعل و جواہر سے جگمگاتی سنہری عماری پیٹھ پر رکھے دارا کا مشہور ہاتھی "فتح جنگ" سامنے آیا۔ اگلے پیروں پر جھک کر سونڈ کو مستک پر رکھ کر سلام کیا۔ چنگھاڑ کر فتح کی مبارکباد دی اور کھڑا ہو کر جھومنے لگا۔ غلاموں نے طلائی سیڑھی تھام لی۔ دارا نے حاضرین کو دیکھا تبسم کیا۔ سیڑھی پر داہنا پاؤں رکھا اور کڑک کر کہا۔

"غریب معاف...... مغرور در مرگ۔"

پچیس اونٹوں پر لدے ہوئے باجے گرجنے لگے اور زمین و آسمان ان کے شور سے بھر گئے۔



اورنگ زیب نے مچھلی کے سفنوں سے بھرا ہوا شلوکا اور چست پائجامہ پہنا۔ دونوں حصوں کو غلاموں نے ریشمی ڈوریوں سے کس دیا۔ اس پر فتوحاتِ دکن سے ریغمال میں آئی ہوئی وہ زرہ پہنی جس کے فولاد پر سونے کا پتر چڑھا ہوا تھا۔ زنجیروں سے بنے ہوئے ساق پوش اور دستانے زیبِ تن کئے وہ خود سر پر رکھا جس پر ہیرے کا ہلال روشن تھا۔ بھاری آہنی جڑاؤ پٹکے میں وہ تلوار لگائی جس پر اٹھارہ سال کی لڑائیوں نے صیقل کی تھی۔ بارگاہ سے برآمد ہوا تو سالاروں نے فتح کی بشارت نذر میں پیش کی۔ ٹھنڈی، ہوشیار، چمکیلی آنکھوں سے ایک ایک چہرے پر لکھی ہوئی یقین اور وفا کی عبارت کا مطالعہ کیا اور اعلان کیا۔

"خانِ خاناں نجابت خاں اور سلطان محمد دس ہزار سواروں کے ساتھ ہراول پر

مامور ہوئے۔"

"صف شکن خاں صولت جنگ اور خانِ کلاں ذوالفقار خاں توپ خانے پر حاکم بنائے گئے۔"

میسرہ شاہزادہ مراد کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

شاہزادہ مراد کا مشہور خواجہ سرا شہنشاہ تسلیم کو جھک گیا اور پھر الٹے پاؤں اپنے آقا کو خبر دینے چلا گیا۔

"خانِ زماں سلام خاں دس ہزار سواروں کے ساتھ میمنہ پر متعین ہوئے۔ کمک پر راجہ بھگونت سنگھ ہاڑا، راجہ دھمدھیرا اور راجہ جیپت رائے تعینات کئے گئے۔"

"خانِ دوراں ناصر خاں رکابِ خاص میں لئے گئے۔"

"پانچ ہزار سواروں کے محفوظ لشکر پر شیخ میر سالار بنائے گئے۔"

"بہادر خاں کوکلتاش" "قولِ" کی مدد پر مامور ہوئے۔"

لوہے میں غرق "کوہِ وقار" ہاتھی سامنے لایا گیا جس کی آہن پوش سونڈ میں دو من کی زنجیر لٹکی ہوئی تھی اور پیٹھ پر سونے کی عماری کسی ہوئی تھی۔ ہاتھی نے فیل بان کا اشارہ پائے بغیر سلام کیا۔ چنگھاڑ کر فتح کی دعا دی۔ غلاموں نے سنہری سیڑھی لگا دی جو اورنگ زیب نے جنبشِ سر سے ہٹا دی۔ ہاتھی نے اگلے پیر جھکا دیئے اور سونڈ پیش کی۔ تلوار کی طرح لانبے اور گرز کے مانند بھاری دانتوں پر اورنگ زیب نے ہاتھ رکھے اور گرجدار آواز میں وہ مشہور جملہ دہرایا جو سکندرِ اعظم نے دارائے ایران کے خلاف سوار ہوتے وقت ادا کیا تھا۔

"آج اپنا سر نہیں یا دشمن نہیں۔"

اور سونڈ پر پاؤں رکھ کر ایک ہی جست میں ہودج پر پہنچ گیا۔ نقارے پر چوب پڑی اور لشکر حرکت میں آ گیا۔



دریائے شفق میں غسل کرتے آفتاب نے جب ستاروں کی زبانی ساموگڑھ کے میدان میں برپا ہونے والی قیامت کی خبر سنی تو ننگے بدن آسمان پر نکل پڑا۔ ساری دنیا اس

کے جاں سوز حسن سے بلبلا اٹھی۔ فلک بارگاہ سے دو میل آگے داراشکوہ کا لشکر کھڑا تھا۔ سب سے آگے توپوں کا ذخیرہ تھا جو پچاس پچاس قدم کے فاصلے پر کھڑی تھیں اور موٹی موٹی آہنی زنجیروں میں ایک دوسرے سے اس طرح بندھی تھیں کہ درمیان سے سواروں کا گزرنا ممکن نہ تھا۔ پیتل کی موٹی موٹی نالیں دھوپ میں سونے کی طرح چمک رہی تھیں۔ ان کے پیچھے بارود اور گولوں کے انبار تھے۔ سو سو دو دو سو میل خچر یا گھوڑے اور ہاتھی اپنی اپنی توپوں کے پیچھے کھڑے تھے اور توپچی مستعد تھے۔ ان کی تعداد ایک سو سے کچھ زیادہ تھی۔ ان کے آگے دھبوں کی صورت میں دشمن کا توپ خانہ نظر آ رہا تھا۔ ان کی حفاظت میں ہزار ہا پیدل تفنگیں لئے کھڑا تھا جن کے سبز و سرخ شملے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ اس کے بعد ایک ہزار اونٹ سر سے پاؤں تک جھولوں، گردنیوں اور چسم پوشوں میں ڈوبے کھڑے تھے۔ ہر ایک اونٹ پر دو سوار زنبور لئے بیٹھے تھے۔ اب پانچ سو ہاتھی پاکھریں پہنے ہودوں میں دو دو سوار اٹھائے کھڑے تھے۔ ہر ہاتھی پر بھی ایک زنبور (دور کی مار کرنے والی بھاری بندوق) لدی تھی جن کی نالیں دور سے چمک رہی تھیں۔ ان سے دو سو گز پیچھے راؤ چھتر سال ہاڑا اونچے تجیلے ہاتھی پر بیٹھا تھا۔ پشت کے پانچ ہاتھیوں پر جھنڈے تھے۔ داہنے بائیں بارہ ہزار سواروں کے گھنے جنگل میں سو ہاتھی برگد کے درختوں کی طرح کھڑے تھے جن پر راجہ کے عزیز اور اقارب اور دوست داد شجاعت دینے کو بے قرار تھے۔ راجہ کے پانچ سو گز پیچھے داہنے ہاتھ پر نواب خلیل اللہ خاں پندرہ ہزار سوار اور دو سو ہاتھی رکاب میں لئے عماری میں کھڑا تھا۔ راؤ چھتر سال کے بائیں بازو پر کوئی ایک ہزار گز کے فاصلے پر رستم خاں فیروز جنگ سو ہاتھی اور بارہ ہزار سوار لئے حکم کا منتظر تھا۔ اگر ان تینوں فوجوں کو ایک کمان تسلیم کر لیا جائے تو اس پر چڑھے ہوئے چلّے کی طرح راجہ رام سنگھ راٹھور سپہ سالاروں کی روایت کے برخلاف اپنے سنہرے گھوڑے پر سوار پارے کی طرح تڑپ رہا تھا اور سر سے پاؤں تک زرد ریشم کا باناپہنے تھا جس کے شملے گریبان اور دامن جواہرات سے لپے ہوئے تھے۔ کمر کی دونوں تلواروں کے قبضے یاقوتوں سے سرخ تھے۔ زرد مندیل پر بیش بہا موتیوں کا سرپیچ تھا۔ سیاہ چوڑی مونچھوں کے بچھو کانوں کے موتیوں کا بوسہ لے رہے تھے۔ ڈیڑھ سو ہاتھیوں کی دیوار اس کے تین طرف حلقہ بنائے کھڑی تھی اور بھائی بھتیجے جلو میں پروانوں کی طرح اڑ رہے تھے۔ پیچھے دس سوار سونے کے ڈانڈوں کے جھنڈے اٹھائے نصب تھے۔

○

اور اب داراشکوہ تھا۔ فتح جنگ کے آہنی ساز و سامان پر سونے کی چادر چڑھی تھی اور قیمتی پتھروں کا پورا چمن لہلہا رہا تھا۔ عماری پر سایہ کئے ہوئے آفتاب گیر پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ پشت پر پندرہ ہاتھی ماہی مراتب اٹھائے کھڑے تھے اور طوغ و علم سنبھالے تھے۔ ہاتھیوں کے پیچھے پچاس اونٹ نوبت نقارے کے لئے محفوظ تھے۔ ہاتھی کے سامنے پانچ کم سن خواجہ سرا بادشاہوں کے سے لباس اور زیور پہنے دارا کے پانچ ہتھیار لئے سدھے ہوئے مرصع گھوڑوں پر اس طرح ساکت تھے گویا سونے کے بت کھڑے ہوں۔ دارا کے سامنے پانچ ہاتھیوں کی فولادی دیوار کھڑی تھی۔ جن کی سونڈوں میں زنجیریں پڑی تھیں اور نکیلے ہتھیار پڑے تھے اور بارہ ہزار سواروں کی قطار دور تک پھیلی چلی گئی تھی۔ فتح جنگ کے دونوں بازوؤں پر ظفر خاں اور فخر خاں کے ہاتھی تھے اور چاروں طرف سادات بارہہ شیوخ ہندوستان اور راجپوتانے کے چشم و چراغ ہجوم کئے ہوئے تھے۔ ان میں بہت سے نامی گرامی شیوخ عظام اور سادات کرام ایسے تھے جو پشتوں کے خدمات جلیلہ کے انعام میں شہنشاہ کے گرد جگہ پانے کے حقدار تھے اور غیظ کے عالم میں پیادہ ہو کر لڑنے میں ثانی نہیں رکھتے تھے اور جنھوں نے کڑے وقتوں میں جنگ سلطانی لڑ کر بڑے بڑے معرکوں کی تقدیریں بدل ڈالی تھیں اور یہ وہ تھے جن کی مثال کشور ہندوستان میں نہ تھی۔ فتح جنگ کے سامنے سو سوار سرخ اطلس کے لباس پہنے، گھوڑوں کی پاکھروں پر سرخ پوششیں ڈالے، کاندھوں پر زرنگار بیدقیں اٹھائے موجود تھے۔ یہ داراشکوہ کے خانہ زاد تھے۔ ان کا صرف یہ کام تھا کہ میدانِ جنگ میں اس کونے سے اس کونے تک احکام پہنچائیں۔ ان کا سردار نصرت خاں تھا۔ اس کے زعفرانی پھریرے پر سورج بنا تھا اور ان سب کی نگاہیں داراشکوہ پر مرکوز تھیں ـــــ پھر داراشکوہ نے رنبیر سنگھ کچھواہہ کو گردن کے اشارے سے قریب آنے کا حکم دیا۔ رنبیر سنگھ گھوڑے سے اتر کر اس سیڑھی پر چڑھ گیا جو غلاموں نے لگا دی تھیں۔ جب اس کا سر عماری کے قریب پہنچ گیا تو مدھم آواز میں حکم ملا کہ "تم برق انداز خاں کے سر پر مسلط رہو۔ غداری محسوس کرتے ہی گردن اڑا دو اور توپ خانہ اپنی کمان میں لے لو۔" ابھی رنبیر سنگھ

اپنے گھوڑے پر سوار بھی نہ ہو پایا تھا کہ درگا سنگھ ہاڑا حکم پاکر سیڑھی پر چڑھ گیا۔ فرمان ملا۔

''پچاس سورماؤں کے ساتھ امیر الامراء کے ہاتھی پر مستعد رہو۔ نافرمانی پر مائل دیکھتے ہی بوٹیاں اڑا دو۔''

درگا سنگھ گرد کے بادل میں غروب ہو گیا اور دارا شکوہ عماری میں کھڑا ہو گیا اور اب معلوم ہوا کہ یلغار کا حکم دینے والا ہے کہ دفعتاً غنیم کی توپیں گرجنے لگیں۔ داراشکوہ نے ایک لمحے کا توقف کیا پھر نصرت خاں کو حکم دیا۔

''برق انداز خاں کو حکم دیا جائے کہ دشمن پر آگ کی بارش کر دے۔ نصرت خاں بذات خود صفوں کو چیرتا نکلا اور ساتھ ہی نقاروں پر چوٹ پڑی اور جنگ کے آغاز کا اعلان ہو گیا۔

برق انداز خاں نے اپنے سرخ بھاری جھنڈے کو جو بندھا ہوا تھا زمین پر گاڑ دیا۔ اور توپیں جو بارود اور گولوں سے بھری انتظار کر رہی تھیں فلیتہ دیکھتے ہی دغنے لگیں۔ ان کی بھیانک آوازوں سے زمین ہلنے لگی۔ ہاتھی چنگھاڑنے لگے، گھوڑے الیلیں کرنے لگے اور چشم زدن میں تمام آسمان سیاہ گاڑھے دھوئیں سے بھر گیا۔ دھوئیں کے اس موٹے نقاب کے اس طرف سے دشمن کی توپوں کی ایک باڑھ سنائی دی۔ پھر آوازیں گونجنے لگیں۔ آدمیوں اور جانوروں کی سمجھ میں نہ آنے والی آوازوں کے حسبِ توفیق معنی پہنائے جانے لگے۔ ابھی دارائی توپیں آگ برسا ہی رہی تھیں کہ نواب خلیل اللہ خاں گھوڑا اڑاتا آیا۔ میدان جنگ کے آداب کے مطابق زمین پر بیٹھے بیٹھے کورنش ادا کی اور بلند آواز میں مبارکباد دی۔

''مہین پور خلافت کو فتح مبارک ہو۔ برق انداز خاں کے توپ خانے نے غنیم کی صفوں میں حشر برپا کر دیا ہے۔ قبل اس کے کہ دشمن سنبھالا لے ہم اپنی تلواروں پر اسے رکھ لیں اور کھڑے کھڑے میدان چھین لیں۔''

دارا نے نواب کو خود کے پیچھے سے ملاحظہ کیا۔ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رستم خاں فیروز جنگ کی بیدقیں نظر آئیں۔ اس نے تسلیم کے بعد گزارش کی۔

''دشمن ہماری توپوں کی زد سے باہر ہے اس لئے نمک خوار کی رائے ہے کہ سامانِ جنگ کو برباد ہونے سے روکا جائے۔''

نواب نے رستم خاں کی کاٹ کو ہڈیوں تک پہنچتا محسوس کیا اور زہر میں بجھے لہجے میں مخاطب ہوا۔

''خانِ اعظم کے خطاب کا کچھ تو بھرم رکھو رستم خاں فیروز جنگ بہادر، دشمن کی صفیں درہم برہم ہو چکیں۔ مورچالوں میں آگ لگ گئی۔ دمدمے غارت ہو چکے۔ دشمن پر شکست کا سایہ پڑنے لگا۔ اور تم کہتے ہو کہ دشمن ہماری توپوں کی زد سے باہر ہے۔ اگر جنگ مغلوبہ کا خوف ایسا ہی طاری ہے تو فلک بارگاہ کی حفاظت کا انتظام سنبھال لو۔ ہم میدانِ جنگ ہی میں بوڑھے ہوئے ہیں۔ اس لڑائی کو بھی جھیل لیں گے۔ ایک ایک جملہ تیر کی طرح رستم خاں کے کلیجے پر لگا۔ ہاتھ قبضۂ شمشیر پر کانپ گیا اور خیال آیا کہ وہ دارا کے حضور میں ہے، جو برق انداز خاں کی طرح ہر مسلمان امیر کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا ہے اور انتہائی ضبط سے ولی عہد کی موجودگی کے آداب کو برتا۔ تاہم گھوڑا ریلتا ہوا نواب کے سامنے پہنچ گیا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ عرض کرے حکم ملا۔

''خانِ اعظم اپنے مقام پر جائیں اور دوسرے حکم کا انتظار کریں۔ خان نے سر کو خم کیا اور اتنی زور سے گھوڑے کے مہمیز ماری کہ وہ پاکھر کے باوجود زخمی ہوتے ہوتے بچا۔ اور چاروں پیروں پر اس طرح اچھلا جیسے ہرن تیر کھا کر اٹھتا ہے۔ سواروں اور پیادوں کو پھاڑتا ہوا خان اپنے لشکر میں آیا۔ خدام رکاب تھامنے لپکے لیکن وہ پھاند پڑا۔ قبل اس کے کہ عماری سے سیڑھی اتار کر لگائی جائے خان ہاتھی کے دانت پکڑ کر سوار ہو چکا تھا اور کھڑے کھڑے للکارا۔

''ہم کہ شجاعت ہمارے نام سے زندہ اور دلاوری ہماری ذات سے قائم ہے۔ دشمن پر چڑھ کر یلغار کرتے ہیں۔ جس کو رستمی کرنا اور اسفندیاری دکھانا ہو وہ گھوڑے اٹھادے نہیں تو تلواریں گلے سے اتار کر ڈھولک پہنا لے۔''

خان کی رکاب میں اصیل گھوڑے تھے جو لگام سہنے کے عادی نہ تھے۔ خان نے تو کوڑے برسائے تھے۔ بارہ ہزار زبانوں نے ایک زبان ہو کر خانِ اعظم رستم خاں فیروز جنگ بہادر کے نعرۂ جنگ کی تکرار کی۔ ساتھ ہی فیلبان نے ایسی چوٹ کی کہ خان کا ہاتھی توپ کے گولے کی مانند صفوں سے نکلا اور نشان کے ہاتھیوں کو ڈھکیلتا ہوا صف شکن خاں کے توپ خانے پر چلا۔ صف شکن خان نے توپ خانے ہی کی امارت میں بال سفید کئے تھے۔ بڑی بڑی لڑائیاں لڑی اور جیتی تھیں۔ چیخ چیخ کر توپیں بھرنے کا حکم دیا۔ جان جوکھم میں ڈال کر توپوں کے دہانے رستم خاں کی طرف پھیر دیئے اور تجربہ کاری اور پامردی سے اپنا بارود بچائے

بیٹھار ہا اور ہراول کے تیروں اور تفنگوں کے چھوٹے چھوٹے وار سہتا رہا۔ جب رستم خاں اپنے سارے لشکر کے ساتھ سوگز پر چڑھ آیا تو صف شکن خاں نے کلیجے کی ساری طاقت لگا کر آواز دی۔

''ضرب۔''

اور چھوٹی بڑی ڈیڑھ سو توپیں ایک ساتھ سر ہو گئیں۔ سوار اور پیادے اور گھوڑے اور ہاتھی کٹے ہوئے درختوں کی طرح گرنے لگے۔ کتنے ہی ہاتھ پیر چیتھڑوں کی طرح فضا میں بکھر گئے۔ رستم خاں اگر سپہ سالاری کر رہا ہوتا تو گا دادے کر دوسری چوٹ بچا لیتا۔ مشینوں پر گرنے کے بجائے آدمیوں پر گرتا لیکن وہ لڑائی لڑنے کہاں نکلا تھا۔ وہ تو جان ہارنے چلا تھا اور جان نچھاور کرنے والے توپوں اور آدمیوں میں تمیز نہیں کرتے۔ دوسری ضرب میں خان کا محافظ دستہ جو خاص لشکر کا سپر تھا نابود ہو گیا اور خان ان کی لاشوں کو روندتا ہوا توپ خانے پر چڑھ گیا۔ نامی گرامی توپیں تباہ کر دیں۔ ان کے بڑے بڑے چوبیں اڈے پھونک دیئے۔ عملے میں سے جو ہاتھ لگ گیا اسے قتل کر دیا۔ قبل اس کے کہ خان کلاں ذوالفقار خاں اپنا توپ خانہ لے کر صف شکن خاں کی مدد کو پہنچے۔ رستم خاں اورنگ زیب پر دھاوا کر چکا تھا۔ خون سے لال تلوار علم کیے نعرۂ جنگ سے زمین و آسمان کو ہلاتا ہوا قول کے اتنے قریب پہنچ گیا کہ اورنگ زیب کا کوہ پیکر ہاتھی نظر آنے لگا۔ خان نے تلوار کی نوک سے اشارہ کیا اور گرجا۔

''شیرو...... شکار سامنے آ گیا۔''

فیلبانوں کے آنکس اور سواروں کے مہمیز جانوروں کو چھیڑ رہے تھے کہ اورنگ زیب کا مشہور سردار شیخ میر پانچ ہزار تجربہ کار سواروں کے ساتھ خان کا راستہ روکنے آ گیا اور دست بدست جنگ کی نوبت آ گئی۔ ہاتھیوں کے بادل گرج رہے تھے۔ تلواروں اور نیزوں کی بجلیاں چمک رہی تھیں۔ تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن رستم خاں پر رن چڑھا ہوا تھا اور جو موت سے ٹکرا رہا ہو اسے کون روکتا پھر اورنگ زیب کے داہنے ہاتھ کو جنبش ہوئی۔ سبز پوش قاصد حکم لے کر اڑا اور فرمان پاتے ہی خان زماں اسلام خاں دس ہزار سواروں کے ساتھ آندھی بن کر چلا اور تن واحد کی طرح خان اعظم پر گرا۔ یہ اتنا بھاری اور کاری حملہ تھا کہ بڑے بڑے سورما پیٹھ دکھلا دیتے لیکن رستم خاں نے اس کو بھی انگیز کر لیا۔ ہر چند کہ ہزاروں سوار غنیم کی توپوں کا شکار ہو چکے تھے، داہنے بازو پر شیخ اور بائیں طرف خان زماں کا دباؤ

بڑھ رہا تھا اور سامنے خود اورنگ زیب حرکت کر رہا تھا۔ لیکن خان نے ایسا زبردست وار کیا کہ شیخ اپنا ہاتھی قربان کر کے جان بچا سکا اور خان شیخ کو مردہ سمجھ کر اورنگ زیب پر چڑھ گیا۔ خان زماں اسلام خاں جو دکن اور کابل کی لڑائیوں میں اورنگ زیب کا دست دراز رہ چکا تھا اپنے سواروں کو سمیٹ کر پیچھے ہٹ آیا۔ اس طرح خان اعظم اس شتر سوار توپ خانہ کی زد میں آ گیا جو ذوالفقار خاں کی کمان میں خان اعظم کا تعاقب کر رہا تھا لیکن خان نے پھر ایسی یلغار کی کہ اورنگ زیب کو راستہ دینا پڑا۔ ساتھ ہی شتر سوار توپ خانے کی پہلی باڑھ چلی اور پہلی گولی خان کے سینے پر لگی۔ خان عماری کی پشت سے ٹکرا گیا لیکن سنبھل کر عماری کی زنجیروں کے سہارے نیچے اترا۔ سبزہ آغاز بیٹے صلابت خاں نے کوتل گھوڑا پیش کیا۔ ہاتھ میں لگام لی تو بکتر کی آستین سے ٹپکتے خون میں ڈوب گئی۔ بیٹے نے کچھ کہنا چاہا۔ ہونٹ کانپنے لگے سننے سے پہلے جواب ملا۔

''جانِ پدر...... میدانِ جنگ میں رستمی اور اسفندیاری کرتے ہوئے جان دے دینا تمہارے گھر کی میراث ہے اور تمہارے ہی گھر میں رہے گی۔''

شاہجہانی علم کو رکاب کی زنجیر اور ساق پوش کے درمیان رکھ دیا اور باپ بیٹوں نے اورنگ زیب کی سواری کے خاص سرداروں شیخ ہادی اور میر دلاور پر گھوڑے اٹھا دیئے۔ اب خان اور اس کے ہوا خواہ چاروں طرف سے اورنگ زیبی لشکر کے مضبوط حلقے میں تھے اور جنگ سلطانی لڑ رہے تھے۔ پھر اورنگ زیب کی عماری سے تفنگ کا ایک وار ہوا اور زخمی خان اعظم جو صرف اپنے حوصلے کی بدولت گھوڑے کی پیٹھ پر قائم تھا زمین پر آ گیا۔ خان زماں اسلام خاں نے ہاتھی سے اتر کر اپنے ہاتھ سے خانِ اعظم رستم خاں فیروز جنگ بہادر صوبہ دار دکن کا سر کاٹ لیا اور اورنگ زیب کے ہاتھی کے قدموں میں ڈال کر عرض کیا۔

''دشمن کے سب سے بڑے سپہ سالار کا سر مبارک ہو...... تخت طاؤس مبارک ہو''

رستم خاں کی موت ایسی ہی تھی۔ داراشکوہ کا بایاں ہاتھ قلم ہو گیا تھا۔ اورنگ زیب جتنا خوش ہوتا بجا تھا۔

اب جب کہ رستم خاں کے جھنڈے سرنگوں ہو گئے تھے آفتاب بلند ہو چکا تھا اور راجہ رام سنگھ راٹھور پیش قول کھڑا تھا۔ مقتول سپہ سالار کے زخمی بھائیوں بھتیجوں کو بھاگتا دیکھ کر اس کی رگ شجاعت پھڑک اٹھی۔ ایک داس کے ہاتھ سے قرنا چھین کر پھونک دی۔ حقیقی

بھائی راجکمار دیبی سنگھ نے رکاب پکڑ کر نویدن کی۔

"مہابلی کی آگیہ نہیں ملی۔"

"یم[1] راج کسی کے ادھین[2] نہیں ہوتے..... یدھ[3] ہوتے ہیں تو تلوار کے اور ساتھ ہی زرکار نیام سے کھڑ اکھڑ اتی ہوئی تلوار نکل پڑی۔ بادشاہوں کے تخت کی طرح سجا ہوا مزاج آشنا گھوڑا ہنہنا کر پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ راجہ نے زرنگار گردن پر مسکرا کر تھپکی دی اور مسکرا کر اپنے اردگرد کھڑے ہوئے خاصے کے سواروں کو دیکھا جن کی تعداد دو ہزار تھی اور جن کے جاپے بسنتی ریشم کے تھے اور جو سرتابقدم دولھا بنے ہوئے تھے اور جن کے ہتھیار قیمتی زیوروں سے زیادہ قیمتی تھے اور جن کے گھوڑے سونے چاندی کی پاکھریں پہنے ہوئے تھے اور تیز دھوپ میں ان پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ دس سوار سرخ اطلس کے لباس پہنے اور مرصع زیور زیب تن کئے راجہ کے جھنڈے اٹھائے کھڑے تھے جن کے پھریرے زرد تھے اور ڈانڈیں سنہری تھیں اور جو سب کے سب راجہ کے عزیز واقارب تھے۔ راجہ کی تلوار علم ہوتے ہی بارہ ہزار تلواریں صیقل کئے ہوئے فولاد کی ناگنوں کی طرح فضا میں تڑپنے لگیں پھر راجہ نے رجز پڑھا۔

"جب ہم اپنے تخت رواں (گھوڑے) پر چڑھتے ہیں
اور ہمارے نیام بانی سے
ناگ راجہ کی سپتری (تلوار) جھنجھنا کر نکلتی ہے تو
"پرلے[1]" ہمارے سر پر اپنا چھتر کھول دیتی ہے اور موت
رکاب تھام لیتی ہے
اور فتح پھاٹک کی طرح ہمارے گن گاتی ہوئی آگے آگے چلتی ہے تو کیا
ہم ایسے جودھارن[2] کو پیٹھ دکھا سکتے ہیں
کداپ[3] نہیں"

لفظوں کی تکرار سے زمین و آسمان گونج گئے اور گھوڑوں کے ایڑ لگ گئی۔ میدان میں ایک زعفرانی بادل اڑنے لگا جن میں ان گنت بجلیاں چمک رہی تھیں۔ راجہ اپنے سواروں کو ذوالفقار خاں کی توپ خانے سے بچاتا ہوا پورے تین میل کا چکر کاٹ کر شاہزادہ مراد پر چڑھ گیا۔ گھوڑوں کی پاکھریں زمین سے لگ گئی تھیں۔ شہ سواروں نے راسیں کمر

[1] موت کا دیوتا۔ [2] ماتحت۔ [3] اگر

سے باندھ لی تھیں۔ تلواریں علم تھیں اور دامن سنہرے عقابوں کی طرح اڑ رہے تھے۔ شاہزادہ مراد گنج سلطان نامی ہاتھی پر سوار تھا۔ تاج نما خود ہیروں سے منڈھا ہوا تھا۔ بکتر نورتن جواہر دوزی سے شفق بن گیا تھا۔ سو جنگی ہاتھی کیلوں اور گھنگھروؤں سے بھری ہوئی پاکھریں پہنے سونڈ میں زنجیریں لپیٹے اور کلہاڑیاں اٹھائے ہوئے مستی میں شوخیاں کرتے ہوئے سامنے کھڑے تھے۔ پشت پر پچیس ہاتھی مغل شہنشاہی کے لوازمات اٹھائے موجود تھے۔ پچاس پچاس ہاتھیوں کے دوسرے دونوں بازوؤں پر مورچہ لئے ہوئے تھے۔ ان کے قلب میں لوہے کے قلعے کے اندر سلطان السلاطین منہاج الدین محمد مراد بخش شہنشاہ غازی چھتر شاہی کے سایہ میں بیٹھا تھا۔ عماری میں اس کے پیچھے شاہزادہ ایرج چھوٹے چھوٹے پانچوں ہتھیار لگائے مستعد تھا۔ رکاب خاص کے پانچ ہزار سوار اس طرح بکتروں اور پاکھروں میں غرق تھے کہ آنکھوں اور سموں کے علاوہ کوئی چیز کسی ہتھیار کی زد میں نہ تھی۔ اورنگ زیبی لشکر کا یہ بازو کریک ڈویژن تھا۔ اس لیے کہ اورنگ زیب کے جنرل اور سوار خاص تعداد میں زیادہ اور صلاحیت میں عظیم ہونے کے باوجود سارے میدان میں تقسیم ہو گئے تھے۔ لیکن مراد جو ایک زمانے سے شہنشاہی کا خواب دیکھ رہا تھا بہترین سپاہیوں کی جستجو اور تربیت کر رہا تھا اپنے تمام چیدہ اور باوفا سپاہیوں اور سالاروں کے ساتھ اسی مرکز پر قائم تھا۔ اس کے علاوہ مراد جسمانی طاقت اور فنونِ جنگ کی مہارت میں بھی بے پناہ تھا اور ان صفات پر اسے فخر بھی تھا۔ اس کا قول تھا۔

"ہیچ از من بہادر نیست" (کوئی مجھ سے زیادہ بہادر نہیں ہے)

مراد کا انتخاب کر کے راجہ رام سنگھ نے بہترین سالار اور سپاہی ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ ہر چند کہ رستم خاں مارا جا چکا تھا تاہم اس نے غنیم کے توپ خانے کا نظام درہم برہم کر دیا تھا۔ صف شکن خاں کو زخمی اور تباہ کر دیا تھا۔ شیخ میر کو مجروح اور زیر کر کے دشمن میں ہراس پیدا کر دیا اور اسلام خاں کی صفیں متزلزل کر دی تھیں۔ اب راجہ کا نقشۂ جنگ یہ تھا کہ اگر مراد کو غارت کر دیا جائے تو اورنگ زیب پر چڑھائی کے لئے راؤ چھتر سال کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ پھر داراشکوہ کے "تول" کی ایک یلغار میدان چھین لے گی۔ راجہ نے بڑی ذہانت سے اپنے نقشے پر عمل کیا ورنہ رستم خاں کی طرح وہ دشمن کے توپ خانہ کے

[1] قیامت۔ [2] بہادر۔ [3] کبھی نہیں

دوسرے حصہ کو جو ذوالفقار خاں کی قیادت میں تھا چند ہزار سوار قربان کر کے تہس نہس کر ڈالتا۔ برخلاف اس کے اس نے توپ خانے کی زد سے دور دور چل کر اور خاصا لمبا چکر کاٹ کر مراد پر دھاوا کیا تھا۔ اورنگ زیب جس نے میدانِ جنگ میں ہوش سنبھالا تھا اور اپنے نیز دشمنوں کے لشکروں کی ایک ایک جزیات سے واقف رہنے کا عادی تھا، راجہ کا رخ بھانپ گیا اور رکاب میں کھڑے ہوئے خان دوران ناصری خان کو مراد کی کمک کے لئے پانچ ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کر دیا۔ قاصد بھیج کر خان زمان اسلام خان کو چکنا کیا کہ اگر ضرورت سمجھی گئی تو مراد کی مدد پر طلب کیا جائے گا۔

مراد کے ہراول نے زد میں پاتے ہی تیروں اور تفنگوں سے راجہ کے پیش قدمی کرتے ہوئے رسالوں پر حملہ کر دیا۔ ساتھ ہی مراد نے اپنے مشہور سپہ سالار شہباز خاں مرشد پرست خاں، رانا غریب داس اور تہور خاں کو ایک ایک ہزار سوار دے کر راجہ پر لپکا دیا۔ اور اب معاملہ تیروں اور تفنگوں سے گزر کر تلواروں اور کٹاروں پر آ گیا تھا اور دست بدست جنگ گاڑھی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ نعروں اور پکاروں سے کہرام برپا ہو گیا تھا اور لاشوں سے میدان پٹنے لگا تھا کہ مراد نے گرج کر کہا۔

''تخت یا تابوت''

اور ہاتھی کو آگے بڑھا دیا۔ گنج سلطان کے ساتھ ہی جنگی مست ہاتھی اپنی زنجیریں اور کلہاڑے ہلاتے اور چنگھاڑتے ہوئے لپکے۔ ان ہاتھیوں نے راجہ کی صفیں روند ڈالیں۔ سواروں اور گھوڑوں کو کھلونوں کی طرح توڑنے پھوڑنے لگے اور ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا کہ راجہ پسپا ہو گیا کہ راجہ سے اپنے حقیقی بھائی کو للکارا۔

''دیبی سنگھ''

''تلوار ہم سے ہاری ہے یا کہ ہاتھیوں سے''۔

''جو آگیہ مہاراج۔''

اور نوجوان دیبی نے جس کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور لگام کمر سے بندھی تھی اور جو اپنے سرداروں اور سپاہیوں کے ساتھ مرشد پرست خان اور تہور خان کے ساتھ الجھا ہوا تھا زین پر ترچھے بیٹھ کر مہمیز لگائی اور گھوڑا اڑا اور سب سے آگے آگے چلتے ہوئے سر بلند ہاتھی پر ایڑ لگا دی۔ اور گھوڑے کے اگلے پاؤں ہاتھی کے دانتوں میں الجھ گئے۔ فیلبان کا سر کٹ کر زمین پر گر پڑا اور راجکمار دیبی سنگھ کا گھوڑا مارا گیا لیکن وہ سر بلند کی پیٹھ پر پہنچ چکا تھا اور ان سواروں سے بے حساب چکا رہا تھا جن کے نیزے ان کے بدن میں پیوست ہو چکے تھے۔ اور اب دوسرے ہاتھی بھی چنگھاڑ کر بھاگ رہے تھے۔ سر بلند کے بھاگتے ہی اکثر ہاتھی جن پر دیبی سنگھ کی تقلید میں سواروں نے جانیں ہار کر دھاوا کر دیا تھا میدان چھوڑنے لگے اور خود راجہ کے ہاتھیوں کا پرا جو سواروں کی رفتار کا ساتھ نہ دے سکا تھا قریب آنے لگا تھا۔

اب مراد نے ملاحظہ کیا کہ بکتر پوش سواروں کی بدلی چھٹ گئی اور میدان میں گوہر پوش سونے کے بجرے سے تیرتے نظر آئے جس کے چاروں طرف اس کے سپاہی اور سالار ملاحوں کی طرح الجھے ہوئے تھے اور خود اس کی کشتی ڈانواڈول تھی۔ اچانک چغتائی شہزادے نے حکم دیا۔

''ہاتھی کے پیروں میں زنجیریں ڈال دو''

رانا مرشد پرست خاں، رانا غریب داس اور تہور خان کو جب ان کی فوجوں سمیت راجہ نے کاٹ کر پھینک دیا اور آگے بڑھا تو راجکمار دیبی سنگھ راٹھور، راجکمار درشن سنگھ راٹھور اور کمار جوہر سنگھ راٹھور وغیرہ کتنے ہی عزیز از جان سورماؤں کی لاشیں خاک و خون میں لتھڑی نظر آئیں۔ سامنے نگاہ کی تو مراد درجنوں ہاتھیوں اور ہزاروں سواروں کے سمندر جہاز کی طرح کھڑا نظر آیا۔ باگ موڑ کر زعفران پوش سواروں کو حکم دیا۔

سور بیرو...... گھوڑوں سے پھاند پڑو کہ جانور ہے اور بھاگ سکتا ہے۔

سب اتر پڑے ڈھالیں نوچ کر پھینک دیں اور رام رام کے نعرے لگا کر مراد پر ٹوٹ پڑے اور وہ بھیانک لڑائی ہوئی جس کی یاد میں مراد کے ہاتھی کی چھلنی عماری ایک مدت تک لال قلعہ میں محفوظ رہی۔ شہباز خان نے اس حملہ کو جو موت کی طرح کاری تھا ہزاروں جانیں دے کر روکنا چاہا لیکن راجہ اس کی صفوں کو پھاڑ کر مراد کے ہاتھی تک پہنچ گیا اور خود مراد کے زخمی اور مردہ سواروں کے نیزے چھین کر مراد پر پھینک پھینک کر مارنے لگا۔ کم عمر شہزادہ ایرج زخمی ہو کر رونے لگا تو مراد نے اس کے خود پوش سر پر پاؤں رکھ کر بٹھا دیا۔ پھر راجہ کے پھینکے ہوئے نیزے سے زخمی چہرے سے ابلتی ہوئی خون کی دھار دونوں ہاتھوں سے چہرے پر مل کر تیروں کی بارش کر دی۔ اب راجہ زخمی چیتے کی طرح گنج

سلطان پر چڑھ آیا تھا۔ فیلبان مارا جا چکا تھا اور راجہ نے تلوار سونت کر حقارت سے کہا۔

"تم صاحب عالم کے سامنے بادشاہ بننا چاہتے ہو......"

جملہ مکمل ہونے سے پہلے اتنا زبردست وار کیا کہ شاہزادہ مراد کی نادر ڈھال ٹوٹ گئی اور انگلیاں زخمی ہو گئیں۔ اتنی دیر میں گنج سلطان نے راجہ کو سونڈ سے دھکا دے کر پھینک دیا۔ اب راجہ مراد کی عماری رسیاں کاٹ رہا تھا۔ سن اور ریشم سے بنی ہوئی رسی کٹنے ہی والی تھی کہ مراد نے کمان تیر سے جوڑا کان تک چلہ کھینچ کر بے خطا نشانہ لیا اور تیر راجہ کا سینہ توڑ کر نکل گیا۔ راجہ کے گرتے ہی ہمرکابوں نے ایک بار پھر سمٹ کر مجنونا حملہ کیا لیکن مراد کے سپاہیوں کی ہمتیں بڑھ چکی تھیں۔ فتح کے باجے بجنے لگے اور شہباز خاں اپنے ہاتھ سے مہاراجہ مرزا رام سنگھ کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا چکا تھا۔

جب سربلند نے دو سو ہاتھیوں کے ساتھ راجہ رام سنگھ پر یلغار کی ہے اس وقت خان دوراں ناصری خاں اپنے ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا اور مراد کی کمک پر باگ اٹھانے والا تھا کہ خبر آئی کہ راؤ چھتر سال ہاڑا بارہ ہزار لشکر لئے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔

اورنگ زیب نے پہلا کام یہ کیا خاں دوران کو اپنی رکاب میں روک لیا۔ خان زماں اسلام خاں کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ حرکت کرے اور راؤ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر راستہ روک لے۔ ذوالفقار کو فرمان ملا کہ پہلا توپ خانہ ڈھکیل کر راؤ کے داہنے بازو پر لے جائے اور شتر سوار زمبوریں قول کے سامنے لگا دے۔ شاہزادہ سلطان محمد کو ہدایت کی گئی کہ ہراول پر پانچ ہزار سواروں کے ساتھ قائم رہے اور جب حکم پہنچے خان خاناں نجابت خاں پانچ ہزار فوج کے ساتھ نکلے اور راؤ کے پشت پر کاری وار کرے۔ اس طرح اورنگ زیب اپنے ایک ایک ڈویژن فوج سے کام لے کر آخری لڑائی کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

ادھر رستم خاں فیروز جنگ کی موت پر راؤ چھتر سال ہاڑا پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ قاصد راجہ رام سنگھ کی فیصلہ کن لڑائی کی خبر لایا اور اطلاع دی کہ راجہ نے شہزادہ مراد کے خونیں ہاتھوں کو کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ اس کے بڑے بڑے سردار مارے جا چکے ہیں اور کوئی دم جاتا ہے کہ شاہزادہ گرفتار ہو گا یا مقتول۔ تین سو برس قبل کے قاصد جو میل میں پھیلے ہوئے تھے میدان جنگ کے ایک سرے سے دوسرے سے تک میدانِ جنگ کی تقدیر بدل ڈالنے والی خبریں لے جانے کو زندگی کی سب سے بڑی عبادت خیال کرتے تھے۔ برستے ہوئے

گولوں، تیروں اور نیزوں سے بچنے کے لئے میلوں کا چکر کاٹ کر اتنی دیر میں منزلِ مقصود تک پہنچتے تھے کہ اکثر لڑائی ان کے علم کے برخلاف دوسری کروٹ لے چکی ہوتی تھی۔ یہ غلطی سا موگڑھ میں بھی دہرائی گئی۔ راؤ نے ایسی ہی ایک غلط خبر کے مطابق میدانِ جنگ کے نقشے پر غور کیا اور تصور کیا کہ اورنگ زیب جیسا بے نظیر سپہ سالار اپنے بائیں بازو کو راجہ رام سنگھ کی تلواروں سے قلم نہ ہونے دے گا۔ اور کسی امیر کو بھیجنے کے بجائے مراد کی مدد کے لئے خود حرکت کرے گا اور اپنے مورچے تہ و بالا کرے گا۔ اس حالت میں اگر اورنگ زیب پر حملہ کر دیا جائے تو گھڑی بھر میں لڑائی کا فیصلہ ہو جائے گا اور اگر اس کی خبر درست ہوتی تو فیصلہ ہو جاتا۔

اس وقت جب آفتاب پر زوال کے سائے پڑنے لگے تھے لشکر شاہی کے "قول" سے نقاروں کی آوازیں آنے لگیں گویا راؤ کو جنبش کا حکم مل گیا اس نے ہراول کو پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ راؤ کے سامنے پچاس ہاتھیوں کی قطار تھی ہاتھی ایک دوسرے سے بھڑے ہوئے تھے۔ بے پناہ گرمی سے بدحواس توپوں اور زمبوروں کی مسلسل آوازوں سے بے قرار، فولاد کی دیوار کے مانند چنگھاڑتے چل رہے تھے۔ ان کے سائے میں دو ہزار راجپوت جو معہ اپنے گھوڑوں کے لوہے کے خول میں بند تھے۔ ان کے شانے سے لگے برچھوں میں زرد کام دار ریشم کے پھریرے لہرا رہے تھے۔ ہاتھوں میں علم، ہلالی تلواریں، کٹاریں اور جمدھر اور سروہی ایک ایک ہتھیار سے شعلے نکل رہے تھے۔ ان کے چہار آئینے میں شیشے کے مانند چمک رہے تھے۔ دوڑتے ہوئے جانوروں کی پاکھریں اور بجتی ہوئی زنجیروں سے عسکری موسیقی کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ راؤ عالم پسند نام کے قد آور ہاتھی پر سوار تھے جو چند سال پہلے داراشکوہ نے انعام میں عطا کیا تھا اور جس کا نام راؤ نے عالم پسند رکھا تھا۔ راؤ مرصع ہودج میں اکیلا تھا اور کھڑا تھا۔ ہیروں سے سفید پٹکے میں دہری تلواروں کے مرصع قبضے دور سے چمک رہے تھے۔ زعفرانی جالے کے آستینوں پر کنگن تڑپ رہے تھے اور بازوؤں پر جوشن بندھے تھے۔ دارا سے انعام ملا ہوا بے مثل موتیوں کا سرپیچ گوہر نگار مندیل پر تاج کے مانند چمک رہے تھے اور سر پر شاہجہانی علم کا سایہ لہرا رہا تھا۔ پیچھے مست ہاتھیوں پر بوندی راج کے نشان اڑ رہے تھے۔ سانڈنیوں پر سوار نقارے گرج رہے تھے۔ عالم پسند کے چاروں طرف زرد پوش سوار پروانوں کی طرح اڑ رہے تھے جو ڈھالوں کی تہمت سے بے نیاز تھے۔ ان کے شانے کمانوں اور ترکشوں سے خالی تھے اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں

تھیں جن کے لئے ٹوٹنا مشکل اور جھکنا ناممکن تھا۔ راؤ کے پیچھے داؤد خاں پانچ ہزار مغل ازبک اور وسط ایشیا کے نامی گرامی قبائل کے نام لیوا سواروں کو اپنی رکاب میں لئے چل پڑا تھا جن کی خود سے نکلتی ہوئی زلفیں آہن پوش کندھوں پر جھول رہی تھیں اور سیاہ و سفید داڑھیوں سے ہیبت ٹپک رہی تھی۔ بعض اپنے کپڑوں میں شیر اور چیتے کی کھالیں لپیٹے ہوئے تھے اور وہ جھنڈے لئے چل رہے تھے جوان کے بزرگوں کو چنگیز اور تیمور نے عطا کئے تھے۔

توپیں کانوں کے پردے پھاڑ ڈالنے والی آوازوں میں گرج رہی تھیں اور زنبوریں درغ رہی تھیں اور راؤ کا لشکر بدبودار کالے دھوئیں کی دبیز چادر سے گزر رہا تھا۔ گرد و بار کا بادل ہاتھیوں کو مستک تک ڈبوئے ہوئے چل رہا تھا۔ گھوڑے گھبرا گھبرا کر بھڑک رہے تھے اور سواروں کو نظر نہ آرہا تھا۔ جب ذرا مطلع صاف ہوا تو راؤ نے بائیں ہتھیلی کے پیچھے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ غنیم کے چست و چالاک گھوڑے، پھرتیلے بیل، سبک قدم خچر اور صبار فتار سانڈنیاں چھوٹی چھوٹی توپوں کو ڈھکیل ڈھکیل کر اس کے داہنے بازو پر پہنچانے میں سرگرم ہیں اور ان کے شانہ سے شانہ ملائے شترسوار توپ خانہ چل رہا تھا۔ راؤ نے عماری سے اپنا علم کھینچ لیا اور تین بار تکان دے کر اپنے بائیں ہاتھ پر جھکا دیا اور تربیت یافتہ لشکر کوہ پیکر مشین کی طرح بائیں ہاتھ کی طرف جھکنے لگا۔ راؤ نے ابھی اپنا جھنڈا سیدھا نہیں کیا تھا اور ذوالفقار خان کے توپ خانہ کی زد سے اپنے رسالے نکال لایا تھا اور دور سامنے اورنگ زیب کے سبز علم نظر آنے لگے تھے کہ بائیں ہاتھ پر کھڑے ہوئے ویران ساموگڑھ کی کچی عمارتوں اور باغوں کے عقب سے جنگلی ہاتھیوں کا غول نکلا اور ان کے پیچھے خان زمان اسلام خان اپنی پوری فوج کے ساتھ طلوع ہوا اور چشم زدن میں راؤ کے بازو پر کمان کی طرح پھیل گیا اور راؤ کے گتھے ہوئے سواروں پر تیروں کی اتنی تیز بارش ہوئی کہ آسمان کالا ہو گیا۔ اورنگ زیب کے سدھے ہوئے ہاتھیوں پر بیٹھے ہوئے بے خطا نشانہ بازوں نے اور تیر اندازوں نے اچانک اتنی باڑھیں ماریں کہ راؤ کے ہاتھیوں نے زخمی ہو کر پسپا ہونا شروع کر دیا۔ پاگل جانوروں کی مجنونانہ واپسی نے گھوڑے سے گھوڑا ملائے ہوئے راجپوت سواروں کی صفوں میں تہلکہ ڈال دیا۔ ان گنت سواروں اور سواریوں کو کچل کر جب ہاتھی گزر گئے اور اسلام خاں کے سوار گھ گئے تب راؤ کے خاص رسالوں نے جو تیر و تفنگ کے بجائے تلوار اور سروہی کے مردِ میدان ہوتے تھے سنبھالا لیا اور سمٹ کر اسلام خان پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ

سنبھالے نہ سنبھل سکا۔ صف بندی اس طرح غارت ہو گئی جیسے برچھائے ہوئے ہاتھی گنے کے کھیت میں پھاند پڑیں۔ راؤ چھتر سال جو اکیاون لڑائیاں لڑ چکا تھا۔ دیکھ رہا تھا کہ غنیم کا توپ خانہ اس کے داہنے بازو پر بڑھا چلا آرہا ہے اور اسی لمحے یہ بھی محسوس ہوا کہ شاہی توپ خانہ خاموش ہو گیا ہے۔ فوراً ایک دستہ توپ خانے کی خبریت کے لئے روانہ کیا اور کمر کی دونوں تلواریں بلند کر کے جنگ مغلوبہ کا حکم دے دیا۔ اسی وقت راؤ کا بھتیجا کمار بھرت سنگھ عماری کے پاس آیا اور رکابوں میں کھڑا ہو کر گرجا۔ "آگیہ ہو تو اپنے سواروں کے ساتھ اڑوں اور ذوالفقار خان کا توپ خانہ تہس نہس کر کے ڈال دوں۔"

راؤ بھتیجے کی اس بے محابہ جلاوت کے اظہار سے محظوظ ہوا۔ بے مثل موتیوں کا ہار گلے سے اتار کر کمار کی طرف اچھال دیا اور کڑک کر حکم دیا۔

"نہیں خان دوراں کا سر لاؤ۔"

کمار نے ہار گلے میں پہنا اور گھوڑا موڑ کر تین بار راؤ کے ہاتھی کا طواف کیا جیسے آخری رخصت کی رسم ادا کر رہا ہو۔ پھر سوار خاصہ کے ساتھ اٹھا اور اسلام خاں کی فوجوں کے سمندر میں پھاند پڑا۔ فیل بان کو ہاتھی بڑھانے کا حکم دے کر راؤ نے بھاری آواز میں برجستہ اشعار پڑھے۔

"چھتر سال تیرے جیون پر دھکار ہو"
تیری آنکھوں کے سامنے تیرے صاحب عالم پر
دور دراز کا ستم نچھاور ہو گیا
ابھی جیون کا ٹھیکرا پار کر
وفا اور شجاعت کے چاند تارے جیت لے گیا
چھتر سال تیرے جیون پر دھکار"

کمار بھرت سنگھ اپنے پرستاروں کے ساتھ خان زماں اسلام خاں کی صفوں کے سمندر میں شناوری کر رہا تھا رسیدہ اور تجربہ کار خان زماں ساموگڑھ میں جان دینے نہیں میدان جیتنے اور انعام لینے آیا تھا اور تجربے نے بتایا تھا کہ غیظ و غضب سے بھاری صدمہ تو پہنچایا جا سکتا ہے جنگ نہیں جیتی جا سکتی لیکن حملہ آور چاچا جی مہراج کی آگیہ کا پالن کرنے یا جان ہارنے نکلے تھے اور صفوں میں تہلکہ ڈالے تھے۔ خان زماں کی آنکھوں کے سائے

میں سالہا سال کی لڑائیوں کے رفیق غضب ناک سکھوں کی تلواروں کا شکار ہو رہے تھے۔ اس نے عماری پر جھک کر خواص کو حکم دیا کہ سواروں کو واپس بلاؤ۔ ساتھ ہی صولت خاں کو میدان میں ہاتھی اتارنے کا حکم دیا۔ راؤ نے دشمن کی چال بھانپ لی اور فوجدار کو ہاتھی ریل دینے کا حکم دیا۔ آنکس کھا عالم پسند نے ایک چیخ ماری اور سونڈ میں بندھا ہوا ایک من کا وزنی کلہاڑا اہلاتا چلا۔ سواروں کی صفیں اور پیادوں کے مورچے جو کچھ سامنے پڑا غارت کر دیا۔ خان زماں کا ہراول جو منتظم واپسی کے حکم کا انتظار کر رہا تھا اور صفیں چھوڑ چکا تھا۔ اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لا سکا اور بھاری نقصان کے ساتھ پسپا ہوا۔ ٹھنڈے گمبھیر اورنگ زیبی جنرل نے میدان ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو اورنگ زیب پر یلغار کے سیدھے راستے کا لالچ دے کر اپنے داہنی بازو پر دبانا شروع کیا اور سیکڑوں جانیں راؤ کی تلوار سے بچا لیں۔ راؤ تو خان زماں سے اپنا راستہ صاف کرنے کو الجھا تھا۔ راہ کو ہموار دیکھ کر سیدھا اورنگ زیب کی طرف چلا اور خان زماں کے ہاتھی پر بے جگری سے دھاوے کرتے ہوئے بیٹوں بھتیجوں کو نام لے لے کر پکارا اور اورنگ زیب کے لشکر پر چڑھا دیا۔ اورنگ زیب جس کے تمام حواس میدان جنگ میں چمک اٹھتے تھے، جانتا تھا کہ یہ شاہی لشکر کا (فولادی دستہ) کریک ڈویژن ہے جس کے حملے کو انگیز کر لینا تخت طاؤس پر جلوس کرنے کے برابر ہے۔ اس نے فوراً مظفر خاں کو حکم دیا کہ دکن کی لڑائیوں کے آزمودہ کار تمام دو سو ہاتھی راؤ پر چڑھا دے۔ خان دوراں ناصر خاں کو فرمان ملا کہ اپنے سوار ہاتھیوں کے پیچھے رکھ کر تیروں کا مینھ برسا دے۔ ساتھ ذوالفقار خاں کو پیغام بھیجا کہ راؤ کے ہاتھی کو جو اپنے لشکر میں پہاڑ کی طرح چمک رہا ہے قادر اندازوں کے ذریعہ زنبور کا نشانہ بنا دے۔ اسی نقشے کے مطابق خان زماں کو فرمان ملا کہ وہ زنبوروں کے زد سے باہر ہٹا چلا جائے اور جب اورنگ زیب کے سبز علم کو حرکت ہو تو بجلی کی طرح دھاوا کرے۔

راؤ نے اپنے سامنے ہاتھیوں کے دل بادل امنڈتے دیکھا تو زعفران پوش سواروں کو بلا کر داؤد خاں کو حکم دیا کہ اپنے بکتر پوش مغل، اوزبک اور ایرانی تیر اندازوں کے ساتھ ہراول کی جگہ سنبھال لے۔ داؤد خاں نے آناً فاناً کھنچے کھنچے رام کئے ہاتھیوں پر وسط ایشیا کے بے مثل تیر انداز اور تفنگ بردار چڑھائے اور اعلان کیا کہ فیل بان کو نشانہ بنانے والے کو ایک اشرفی اور ہاتھی کو مارنے والے یا قبضہ کرنے والے کو دس اشرفی کا انعام دیا جائے

گا۔ پھر زد میں آتے ہی تیروں اور گولیوں کا پہلا بادل برسا۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑوں اور فیلبانوں کی فریادوں سے میدان جنگ کا کلیجہ دہل گیا۔ پہاڑ ایسے آہن پوش ہاتھی جب ایک دوسرے سے ٹکراتے تو معلوم ہوتا جیسے آسمان پر ہتھیا نکھت امنڈ امنڈ کر گرج رہا ہو اور گرج گرج کر برس رہا ہو۔ راؤ کے قادر اندازوں اور ہاتھیوں کے درمیان سے اپنے ان خاص رسالوں کو جو خود کشی کے دستوں کے مماثل تھے اورنگ زیب پر لپکا دیا تھا۔ جیالے سپاہیوں نے گھوڑوں سے اتر اتر کر فیلبانوں کو قتل کر کے غنیم کے ہاتھیوں پر قبضہ کر کے خود غنیم کی صفوں میں ڈال دیا تھا۔ جان جوکھم میں ڈال کر چھتر سال نے کوشش کی کہ اپنے لشکر کو اورنگ زیب کی فوج میں پیوست کر کے اس طرح جنگ چھیڑ دے کہ دشمن کے توپ خانے سے جو بڑھتا چلا آ رہا ہے ایک حد تک محفوظ ہو جائے۔ لیکن اورنگ زیب ان جنرلوں میں نہ تھا جو دشمن کے منتخب کئے ہوئے میدان میں دشمن کی مرضی کے مطابق لڑتے ہیں۔ اس نے تیزی کے ساتھ پیچھے دبنا شروع کیا۔ ساتھ ہی خانہ زادوں کو کڑک کر حکم دیا کہ اگر ذوالفقار خاں راؤ پر حملے میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کا سر اتار کر پیش کیا جائے۔ سبز پوش سوار سبز بالا پوش میں گھوڑے چھپائے اور سبز جھنڈے شانوں پر اٹھائے ابھی صف سے نکلے بھی نہ تھے کہ ذوالفقار خاں کی توپیں چلنے لگیں اور دس سیر کا ایک گولا راؤ کے ہاتھی کے پٹھے پر لگا۔ عماری الٹ گئی۔ ہاتھی صدمے سے گر کر اٹھا اور میدان سے بھاگنے لگا۔ راؤ نے جو کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو ہاتھی کی پیٹھ پر جمائے ہوئے تھا ایک تلوار نیام میں ڈالی اور دوسری دانتوں میں داب کر بے تحاشا بھاگتے ہاتھی کی پشت سے پھاند پڑا اور بے حواس ہمرکابوں کو للکار کر بولا۔

"میدان سے چھتر سال کا ہاتھی بھاگ سکتا ہے چھتر سال نہیں۔"

خدام نے راؤ کا گھوڑا پیش کیا جو ہاتھی کے ساتھ ساتھ کوتل چل رہا تھا۔ یہ وہ گھڑی تھی کہ داؤد خاں ہزاروں سر کا صدقہ دے کر اورنگ زیب کے ہاتھیوں کو پسپا کر چکا تھا اور راؤ اپنے ہزار ہا بسنتی سواروں کے ہجوم میں کھڑا تھا اور نام لے لے کر جاں نثاروں کو پکار رہا تھا اور جوہر کی رسم ادا کرنے والی لڑائی کی تیاری کر رہا تھا۔ جب راؤ کا ہاتھی گولا کھا کر گرا تو غنیم میں راؤ کی موت کی خبر اڑ گئی اور اورنگ زیب نے ہاتھی آگے بڑھا کر یزن کا حکم دے دیا تھا۔ ساموگڑھ کی لڑائی کا وہ وقت بھی تاریخ کا عجیب و غریب وقت تھا جب راؤ کی فوج سوارہ کے مغل اور اوزبک سوار نعرۂ تکبیر بلند کر کے اورنگ زیب پر ٹوٹ پڑے تھے اور

زعفران پوش رسالوں نے ''ہری ہری'' کے نعرے لگا کر گھوڑے اٹھا دیئے تھا۔ اور کمار بھرت سنگھ دو ہزار سواروں کے ساتھ زخمی عقاب کی طرح اپنے لشکر کی پشت سے اڑ کر ذوالفقار خاں کے توپ خانہ پر جا پڑا۔ اورنگ زیب کی صفیں موج در موج راؤ کے سامنے آتیں لیکن ایک ایک انچ زمین کے لئے گمسان کی لڑائی لڑتیں لیکن راؤ ان کر درہم برہم کرتا آگے بڑھتا رہا۔ اورنگ زیب نے سبز پوش قاصدوں کی زبانی یہ خبر تردد سے سنی کہ دارا شکوہ مراد کی طرف بڑھ رہا ہے۔ عماری میں کھڑے ہو کر اس نے یہ بھی دیکھا کہ زرد بانے پہنے ننگی تلواریں علم کئے ہزاروں سوار توپوں اور زنبوروں کے شدید حملوں سے بے نیاز سیکڑوں کی جانوں کی بھینٹ دے کر ذوالفقار خاں سے دست بدست لڑائی لڑ رہے ہیں اور خود راؤ چھتر سال اس کے ہاتھی کے سامنے آنا چاہتا ہے۔ اس نے تڑپ کر حکم دیا۔

''ہاتھی کے پیروں میں زنجیریں ڈال دو۔''

ساتھ ہی دوسرا حکم نافذ ہوا۔

''خان دوراں ناصری خاں اور بہادر خاں کوکلتاش یلغار کریں۔''

خان دوراں اپنے رسالوں کے ساتھ کوندے کی طرح لپکا اور راؤ کی تلواروں کے ساتھ ٹکرا گیا۔ بہادر کوکلتاش جو اورنگ زیب کا رضائی بھائی تھا اور شہزادوں کے سے خدم وچشم رکھتا تھا اپنے ایک ہزار ذاتی سواروں اور دو ہزار اورنگ زیبی فوجوں کے ساتھ ہاتھی ریلتا آگے بڑھا۔ داؤد خاں نے تین طرف سے چھتر سال کو گھرتا ہوا دیکھا تو سر ہتھیلی پر رکھ کر بہادر خاں کا راستہ روکنے چلا۔ ہر چند کہ خان دوراں کے ہاتھیوں کو شکست دینے میں اس کے لشکر نے بڑے صدمے اٹھائے تھے۔ لیکن اس نے بہادر خاں کی پیش قدمی کو قطعی طور پر روک دیا۔ اب ایک ایک صف ایک ایک دستہ ایک ایک مورچہ اور ایک ایک سپاہی دست بدست لڑائی میں گلے گلے ڈوب گیا تھا۔ تلواریں انسانوں اور جانوروں کو اس طرح کاٹ رہی تھیں جیسے کسان کا ہنسیا پکی ہوئی فصل کاٹتا ہے۔ سر اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے جیسے آندھی پھلے ہوئے باغوں کو اجاڑتی ہے۔ راؤ چھتر سال اور اس کے ساتھی اس طرح بے جگری سے تلواروں پر گر رہے تھے جیسے دولھا سالیوں کے ہاتھ چوتھی کی مار کھاتا ہے۔ پھر راؤ نے کڑک کر رجز پڑھا۔

''ہمارا نیام بجلی کا آشیانہ ہے

گردشِ ایام ہمارے گھوڑوں کی چال ہے

یم راج ہمارا دوت ہے

اور پرلئے ہمارے دھاوے کا خطاب ہے۔''

پھر رکابوں پر کھڑے ہو کر آواز دی۔

''راٹھوروں کے راج دلارے کہاں ہیں۔''

اور تلوارون کے نرغے سے راجہ روپ سنگھ نے جواب دیا۔

'' آگیہ دیجئے مہراج۔''

''ہم اورنگ زیب پر چڑھتے ہیں۔''

''اگر اس کا سر نہ لا سکے تو ہراول تمہارے سپرد۔''

''مہراج۔''

راجہ روپ سنگھ کی سنی ان سنی کر کے راؤ شیوخ نامی اور سادات گرامی کے حلقی سے گھوڑا نکال لایا اور آواز دی۔

''بوندی راجکمارو۔''

''ہاڑا بنس کے جھنڈوں۔''

''آؤ۔''

''اورنگ زیب پر چلو۔''

''رن بھومی کو لاشوں سے پاٹ دو۔''

''اتہاس کو دکھا دو۔''

صاحب عالم کے سپاہی اس طرح لڑتے ہیں۔

''جس طرح سنسار میں کوئی نہیں لڑ سکتا۔''

بیٹوں، بھتیجوں، بھائیوں اور سرداروں اور نمک خواروں نے ایک زبان ہو کر ہری ہری کے اتنے بھیانک نعرے لگائے اور اس قیامت کا حملہ کیا کہ اورنگ زیب کو بہ نفس نفیس اپنے سالاروں کو مخاطب کرنا پڑا۔ اس کی آواز بلند ہوئی۔

''بہادرو! یہی وقت ہے۔''

اور ساموگڑھ کے میدان میں تاریخ کی وہ ہولناک جنگ چھڑ گئی جس کے لئے

مورخوں کو لکھنا پڑا کہ پوری سترہویں صدی میں کشور ہندوستان میں کسی ایک مقام پر ایسی خونریز لڑائی نہیں لڑی گئی۔

اس لڑائی کے لئے فارسی شاعروں نے لکھا ہے کہ سواروں کے گھوڑے کمر کمر تک خون میں ڈوب گئے تھے۔ اور خان دوراں اپنی صفوں کی شکست قبول کر کے اور اپنے گھوڑے کی بھینٹ چڑھا کر جان بچا سکا۔ بہادر خاں کوکلتاش سر سے پاؤں تک خون میں نہا گیا۔ فوجدار مارا گیا اور خانہ زادوں نے میدان سے ہاتھی نکال کر جان بچائی اور چھترسال اورنگ زیب پر اس طرح جھپٹا کہ گھوڑے کے دونوں پاؤں ہاتھی کی مستک پر جم گئے۔ فیلبان چھترسال کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی ناگن کا شکار ہو گیا اور چھترسال نے گرج کر کہا۔

"تم صاحب عالم کے سامنے تخت طاؤس پر چڑھنا چاہتے ہو۔" اور ایسا تُلا ہوا ہاتھ مارا کہ اگر اورنگ زیب کے سر پر بے نظیر خود نہ ہوتا تو تلوار کمر تک دھنس جاتی تاہم کلغی اڑ گئی اور خود کی کڑیاں بکھر گئیں۔ اورنگ زیب نے اس بے پناہ وار کے صدمے کو برداشت کر لیا اور ساتھ ہی لوہے کے ڈانڈ کا نیزہ ایسی قوت سے چھترسال کے سر پر مارا کہ وہ ہاتھی کے دانتوں اور سونڈ میں پھنسے ہوئے گھوڑے پر سنبھل نہ سکا اور زمین پر آ گیا۔

اورنگ زیب کی غضب ناک آواز سنائی دی۔

"بزن۔"

اورنگ زیب کے ہاتھی کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے کماروں اور سنگھوں کے چاروں طرف رکاب خاص کے تجربہ کار سواروں نے زنجیرہ بنا لیا۔ چھترسال کے زمین پر گرتے ہی ایک سوار نے گھوڑا اپیش کیا لیکن زخمی چھترسال سوار نہ ہو سکا تھا کہ اعظم خاں نے نیزہ سیدھا کر کے اس پر گھوڑا دوڑا دیا۔ نیزے کی پوری انی راؤ کی کمر توڑ کر دوسری طرف نکل گئی۔

لیکن اعظم خاں سے سردار بخت سنگھ الجھ گیا اور سروہی کے ایک ہی وار میں چھترسال کا بدلہ لے۔ لیکن چھترسال کی موت کا بدل تو داراشکوہ کے پاس بھی نہ تھا۔ بخت سنگھ نے ہراول کا جھنڈا راجہ روپ سنگھ راٹھور کے کندھے پر رکھ دیا جو سرزاوار خاں کو دست بدست لڑائی میں مار چکا تھا۔ راج روپ نے تلواروں کی باڑھ میں علم کو بوسہ دیا اور بڑھتے ہوئے دلاور خاں پر ٹوٹے ہوئے دل اور پُرنم آنکھوں سے ایسا حملہ کیا کہ دلاور خاں جو دکن کی لڑائیوں میں نام کر چکا تھا، اورنگ زیب سے چہار ہزاری منصب پا چکا تھا ایک ہی وار میں ختم ہو گیا۔

مگر اب میدانِ جنگ اورنگ زیب کے ہاتھ میں تھا۔ چھترسال کی لاش کے چاروں طرف جنگ سلطانی لڑتے ہوئے سردار اور سوار خانِ دوراں کی بے امان تلواروں کی یورش میں تھے۔ داؤد خاں ایک جزیرے کی طرف خان جہاں اسلام خاں کے سواروں کے سمندر میں گھر چکا تھا لیکن راجہ روپ سنگھ راٹھور کاندھے پر علم رکھے، دونوں ہاتھوں میں خون سے لال تلواریں علم کئے جست خیز کر رہا تھا۔ اور دھاوے پر دھاوا کئے جا رہا تھا۔ خواص میں بیٹھے ہوئے قادر انداز خاں نے جو سارے لشکر اورنگ زیب میں اپنے نشانے کا جواب نہ رکھتا تھا، اپنی تفنگ سیدھی کی اور خان دوراں کی تلوار میں گھرے ہوئے راجہ روپ سنگھ راٹھور کا نشانہ لیا لیکن اورنگ زیب نے ہاتھ بڑھا کر نال ہٹا دی اور حکم دیا۔

"راجہ روپ سنگھ...... تلوار رکھ دو...... جان بخشی کی گئی...... تمہارے راج پر بوندی راج کا اضافہ کیا گیا اور پنج ہزاری منصب عطا ہوا۔"

لیکن داراشکوہ کے صحبت یافتہ سرداروں کا اورنگ زیب کے ہاتھوں بک جانا ممکن نہ تھا۔ راجہ نے جواب دیا۔

"ہم نے صاحبِ عالم کا نمک کھایا ہے جو اسی میدان میں ادا ہو گا۔" اور خان دوراں پر حملہ کر دیا۔ اورنگ زیب نے آخری کوشش کی۔

راجہ کی جلالت پسند خاطر ہوئی۔ جو شخص اس بدنصیب کو زندہ گرفتار کرے وہ مراحم خسروانہ کا حقدار ہو گا۔

کتنے ہی سوار کمندیں لے کر جھپٹے لیکن راجہ روپ سنگھ راٹھور خان دوراں کی تلواروں میں گھس چکا تھا اور وہ آخری جنگ لڑ چکا تھا جس کا ایک نام خودکشی بھی تھا۔

اورنگ زیب ٹھنڈی پُرسکون نگاہوں سے راجہ راج روپ سنگھ راٹھور کی لاش دیکھ رہا تھا جس کے آدھے جسم پر ہراول کا علم سایہ کئے ہوئے تھا کہ خان دوراں نے راؤ چھترسال کا سر کاٹ کر پیش کیا۔ راؤ سے اگر تقدیر نے یاوری کی ہوتی تو اس کا قلم فیضی سے چشمک کرتا اور تلوار راجہ مرزا مان سنگھ کے افسانے بھلا دیتی۔ پھر خان زماں کے نیزے پر داؤد خاں کا چڑھا ہوا سر اورنگ زیب کو مبارکباد دینے حاضر ہوا۔ ساتھ ہی خبر آئی کہ خان کلاں ذوالفقار خاں نے کمار بھرت سنگھ کا سر کاٹ لیا ہے جو چند لمحوں میں حضوری کا شرف پانے والا ہے۔

سورج دارا کے اقبال کی طرح زوال پر مائل ہو چکا تھا۔ کڑی دھوپ کی تپتی ہوئی

آگ کی چادر کے نیچے فولاد پوش آدمی اور جانور حرکت کر چکے تھے۔ داراشکوہ دو سو جنگی ہاتھیوں کی دیوار کے پیچھے خاصے کے سواروں اور پیادوں کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس نے رستم خاں فیروز جنگ کے ہاتھوں صف شکن خاں کے توپ خانے کو زیر و زبر ہونے کی خبر سنی تھی۔ اسے مطلع کیا گیا تھا کہ راجہ رام سنگھ راٹھور نے شہزادہ مراد کے ہاتھی پر حملہ بول دیا ہے۔ اور خان زماں اسلام خاں کی پشت پناہی بے سود ثابت ہوئی تھی۔ اسے اطلاع دی گئی تھی کہ خان زماں کے بچے کھچے لشکر کو کاٹ کر چھتر سال ہاڑا اورنگ زیب پر چڑھ گیا ہے اور ''قول''میں تہلکہ ڈال دیا ہے۔ دارا کی یہ تمام خبریں غلط نہیں تھیں لیکن پرانی اور نامکمل تھیں۔ بہر حال دارا اس اکبر کا جانشین تھا جس کے حضور میں بیر بل کی موت کی خبر پہنچانے پر کوئی رتن تیار نہ ہوا تھا۔ میدان جنگ میں خبریں پہنچانے والے اکبری نورتن نہ تھے دارائی خواص تھے اور رستم خاں کی موت لشکر شاہی کے سب سے بڑے سپہ سالار کی موت تھی۔ خواصوں نے سوچا کہ کوئی فتح نصیب ہو لے تو اس مبارک خبر کے ساتھ یہ نحوس خبر بھی ٹانک دی جائے تا کہ انگیز کر لی جائے لیکن ہوا یہ کہ ایک ایک کر کے تینوں مشہور و معروف سپہ سالار بد نصیبی کا شکار ہو گئے اور خواص بیمار کے سرہانے بیٹھے ہوئے چارہ گروں کی مانند جھوٹی تسلیاں دیتے رہے۔

اس طرح دارا کے نقشے کے مطابق خان خاناں نجابت خاں اور شاہزادہ محمد کے رسالے اس کے لشکر کی پھیلائی ہوئی تباہی سے محفوظ تھے۔ دارا نے قول کو حرکت دی۔ دشمن کا توپ خانہ جو اپنے مرکز سے ہل چکا تھا پوری طرح برباد تصور کیا گیا اور اس خیالِ خام کے نتیجے میں خود اپنے توپ خانے سے بے توجہی برتی گئی۔ بھاری زنجیریں جو توپوں کو ایک دوسرے سے منسلک کئے ہوئے تھیں کھول دی گئیں تا کہ ''قول'' کے ہاتھیوں کے لئے راستہ بنایا جا سکے۔ دارا جو اس وقت شہنشاہ کی نیابت کر رہا تھا اپنے مرکز سے ہلا تو ہاتھیوں اور اونٹوں پر رکھے ہوئے نقارے گرجنے لگے، باجے بجنے لگے۔ خوشامدیوں اور کم شعوروں نے آواز دہل کو فتح کے شادیانے پر محمول کیا اور دارا کے بڑھتے ہی توپ خانے کا عملہ فتح کی لوٹ میں شریک ہونے کے لئے مورچے چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگا۔

سجے بنے کوہ پیکر ہاتھی اپنے پیچھے تاریخ رکھتے تھے۔ نشان اٹھائے دس دس ہاتھیوں کو کمان میں لئے آگے آگے چل رہے تھے۔ قیمتی عماریاں اور نقرئی پاکھریں دھوپ

میں تڑپ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے آہستہ خرام رسالے تھے جو سنہرے روپہلے بکتر یا سرخ زرد، سبز سیاہ اور سفید لباس پہنے ہوئے تھے جس کے نیچے جسم کی حفاظت کا سامان گرمی سے پھنک رہا تھا۔ ان کے گھوڑے شاہی اصطبل کے تھے جو جسم کے بھاری اور محنت سے عاری تھے۔ اگر منہ زوری کی تو سوار کو زمین پر پھینک دیا اور تھک گئے تو چلنے سے انکار کر دیا۔ دھوپ میں کھڑے ہوئے مست ہاتھیوں نے آنکس کا اشارہ پاتے ہی تیزی سے حرکت کی اور ''قول'' کے وہ بے نظیر پیدل سپاہی جن کی وفا اور شجاعت کی قسم کھائی جا سکتی تھی اور جو سر سے پاؤں تک لوہے کے خول میں بندھے تھے شانے سے شانے ملائے فولاد کے ٹھوس مورچوں کی طرح حرکت کر رہے تھے اور جنھوں نے گھوڑے اس لئے نامقبول کیے تھے کہ ان کا وجود فرار کا جذبہ پیدا کر سکتا تھا اور جو ہاتھیوں کی تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ ایک ایک کر کے چھوٹنے لگے۔ ان کے افسروں نے دارا کی سواری کے ساتھ چلتے ہوئے ہزار ہا کوتل گھوڑے طلب کیے لیکن چاروں طرف سواروں کی منہ زوریاں اور الیلیں کرتے گھوڑوں کا حصار جنباں تھا۔ باجوں کی تیز آوازیں کچھ سننے اور سمجھنے سے قاصر تھیں۔ بچے کھچے پیدل سور ما جو جان جوکھم میں ڈالے رکاب کا ساتھ دے رہے تھے چور چور ہو گئے اور اب روایتی شجاعت کے اظہار میں صرف جانیں قربان کر سکتے تھے جو قربان کر دیں۔

اورنگ زیب نے چھتر سال ہاڑا سے نجات پاتے ہی صفیں درست کیں خان خاناں نجابت خاں کو فرمان بھیجا کہ لپک کر غنیم سے الجھ جائے۔ خان کلاں ذوالفقار خاں کو نصرت جنگ بہادر کا خطاب دے کر حکم دیا کہ اپنے اور صف شکن خاں کے بچے کھچے شتر سوار توپ خانے کو کمان میں لے کر دارا کے بائیں ہاتھ پر حملہ کرے اور خان زماں اسلام خاں اور شہزادہ مراد کے دونوں بازوؤں کو کمان کی طرح پھیلایا اور نقاروں پر چوب لگا کر اس تزک و احتشام سے یلغار کی گویا تخت و تاج کی مبارکبادیاں قبول کرنے چلا ہے۔

خان خاناں جنگی تکنیک میں اورنگ زیب کے احکام کا پابند تھا۔ دارا کے نشان دیکھ کر اورنگ زیب کا حکم پا کر اپنی صفوں کو پوری تنظیم و تربیت دے کر بڑھا اور جیسے ہی ذوالفقار خاں کا شتر سوار توپ خانہ دارا کے بائیں بازو پر نمودار ہوا اس نے دھاوا کیا۔ ذوالفقار خاں نے دارا کو زد میں پاتے ہی ''ضرب'' کا حکم دے ایک ایک نال خالی کر دی۔ یہ تمام کے تمام توپچی تفنگ، ہاڑ اور زنبوریں چلانے والے ہی شاہی توپ خانہ کا ایک حصہ تھے جو سیکڑوں

لڑائیاں لڑ چکا تھا اور تسخیر دکن کے لئے اورنگ زیب کی رکاب میں دیا گیا تھا یا میر جملہ کی کمان میں اورنگ زیب کی کمک پر رخصت ہوا تھا اور میر جملہ کی فرضی گرفتاری کے بعد اس کے اختیار میں آ گیا تھا۔ خان خاناں دارا کے ہاتھیوں کی قوت سے واقف اور خائف تھا۔ لیکن اس کی تقدیر سے ذوالفقار خاں نصرت جنگ بہادر نے ہاتھیوں کو ہی اپنا ہدف بنا لیا تھا۔ بے محابہ گولہ اندازی اور آتش باری نے ہاتھیوں کی صفیں غارت کر دیں اور زخمی کوہ پیکر جانوروں نے دن بھر کی کڑی دھوپ میں جمع کیا ہوا سارا غضب اپنے لشکر ہی پر بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر کے لئے ''قول'' میں تہلکہ مچ گیا۔ ایسا دیسا دشمن ہوتا تو اتنے ہی میں ہتھیار ڈال دیتا لیکن مقابلے پر داراشکوہ تھا جس کے جلو میں اب بھی فیل شکار اور شیر افگن سورماؤں کا پورا ایک لشکر چل رہا تھا۔ ظفر خاں اور فخر خاں اور کمار رام سنگھ نے گھوڑے دوڑا کر خود اپنے ہاتھیوں کا شکار کیا، زخمی کیا اور کتنی ہی قیمتی جانیں کھو کر ان پر قابو پایا۔ دارا نے ایک بار پھر صفیں آراستہ کیں اور خان خاناں نجابت خاں پر حملہ کر دیا جو شاہزادہ محمد کے ساتھ دس ہزار فوج لئے بلائے بے درماں کی طرح چلا آ رہا تھا۔ دارا جو اپنی زندگی کا پہلا میدان لڑ رہا تھا پورے استقلال کے ساتھ سپہ سالاری کر رہا تھا جہاں دشمن کا دباؤ دیکھتا اپنا ہاتھی ریل کر پہنچتا۔ شجاعوں کے نام لے لے کر دل بڑھاتا۔ خاصے کے سواروں کی کمک بھیجتا اور غنیم کا مورچہ توڑ کر دوسری طرف متوجہ ہو جاتا۔

جان لیوا مصروفیات کے باوجود اس نے قاصدوں کے ذریعہ حکم بھیجا کہ ہلکا توپ خانہ تیزی کے ساتھ کمک پر لایا جائے۔ غدار برق انداز کی تساہلی کے باوجود کنور رنبیر سنگھ کچھواہہ چربی چڑھے ہوئے سست رفتار گھوڑوں، خچروں اور بیلوں پر توپیں لاد کر چلا لیکن سامنے اپنا ہی لشکر کھڑا تھا۔ پورے لشکر کا چکر کاٹ کر داہنے بازو پر پہنچنے کی کوشش کی لیکن شاہزادہ مراد کے اشارے پر شہباز خاں چار ہزار سواروں کے ساتھ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

داراشکوہ نے اپنی ذاتی شجاعت وصلابت کے بوتے پر شاہزادہ محمد اور نجابت خاں کے درمیان سے راستہ بنا لیا اور سیدھا اورنگ زیب کی طرف چلا۔ ہر چند کہ لشکر شاہی کے دست و بازو ٹوٹ چکے تھے۔ تاہم اب اگر نمک حرام خلیل اللہ خاں کے بجائے نجابت خاں میر جملہ یا جسونت سنگھ ایسا کوئی سپہ سالار شاہی میمنہ پر کھڑا ہوتا اور اس کی رکاب میں امیر الامراء کی پندرہ ہزار آزمودہ کار فوج ہوتی تو دارا اپنے قوت بازو سے میدان جنگ کا

نقشہ بدل دیتا لیکن نواب نے کچھ کیا تو یہ کہ دور کھڑے ہوئے لشکر سے نکلا۔ حضوری میں آ کر تسلیم کی ہاتھی کا طواف کیا اور عرض کیا۔

''صاحب عالم کو فتح مبارک ہو۔ شہزادہ مراد نے میدان چھوڑ دیا۔ شہباز خاں ہزار سوار کے ساتھ ''فلک بارگاہ'' کی سلامی کو جا رہا ہے۔ اسلام خاں باغی اورنگ زیب کو تلواروں میں گھرا ہوا چھوڑ کر چلا گیا۔ اورنگ زیب موت کی لڑائی لڑ رہا ہے۔ وہ اگر صاحب عالم گھوڑے پر نزول اجلال فرما کر پیش قدمی پر مائل ہوں تو اورنگ زیب کو زندہ گرفتار کر لیا جائے...... لیکن......!''

''اگر صاحب ''فتح جنگ'' پر جلوس فرما رہے اور یلغار میں تاخیر ہوئی تو امکان ہے کہ شاہی ملازم شاہزادہ دوم کے مقابلے سے عاجز ہو جائیں اور باغی کو فرار کا موقع مل جائے۔ اس لئے نمک خوار دولت کی گذارش ہے کہ ولی عہد سلطنت برق پا پر جلوس آرا ہو کر باگیں اٹھا دیں۔''

''ہر گذرنے والی گھڑی اورنگ زیب کو ہم سے دور کر رہی ہے۔''

''ہاتھی بٹھا دیا جائے۔''

دارا نے حکم دیا۔

اور مرصع ''فتح جنگ'' نے دارا کے حضور میں اپنا آخری سلام پیش کیا۔ دارا نے بیٹھے بیٹھے گھوڑے کو چھیڑ دیا۔ مکّار اور غدّار نواب سلام کر کے اپنے مرکز کی طرف چلا۔ گویا لشکر کو ہمرکاب لے کر وہ بھی اورنگ زیب پر یورش کرنے والا ہے۔



دارا ابھی پانچ سو گز بھی نہ اڑا تھا کہ داہنے بازو پر مراد چھتر لگائے ہوئے ہاتھی پر نظر آیا۔ بائیں طرف اسلام خاں ہزاروں برہنہ تلواروں کے ساتھ دکھائی دیا۔ اور سامنے غول سے شتر سوار زنبوروں نے آگ کی بارش کر دی۔ ساتھ ہی ان قاصدوں نے جو کنور رنبیر سنگھ کچھواہہ کے ساتھ توپ خانہ لینے گئے تھے کنور کی موت کی خبر دی اور توپ خانہ سے مایوسی کا اظہار کیا۔

دارا نے گرج کر حکم دیا۔

''رستم خاں فیروز جنگ، مہراؤ چھتر سال ہاڑا اور مہاراجہ رام سنگھ راٹھور کو احکام پہنچائے جائیں کہ سوار خاصہ کے ساتھ مابدولت کے حضور میں حاضر ہوں۔''

کسی طرف سے جواب میں آواز آئی۔

''وہ سب کے سب صاحب عالم پر نچھاور ہو چکے۔''

''کیا......؟''

''صاحب عالم کے خوف سے خبر محفوظ رکھی گئی لیکن اب پوشیدہ رکھنا جرم ہے اس لئے عرض کیا گیا۔''

اور دارا کو جیسے چکر آ گیا۔ پیروں سے رکابیں نکل گئیں، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ پھر داراشکوہ نے چلا کر امیر الامراء کے لشکر کی طرف اشارہ کیا۔ بدنصیب ولی عہد نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا کہ نواب اپنے پورے لشکر کے ساتھ شاہزادہ مراد کے سامنے سلامی دیتا گزر رہا ہے۔ ساتھ ہی رکاب میں کھڑے علم اٹھائے ہوئے خواص کا سر پانچ سیر کے گولے سے اڑ گیا۔ اب شہباز خاں اور شاہزادہ سلطان محمد نے پشت پر حملہ کر دیا تھا اور وہ اسلام خاں کے تیروں کی زد میں آ گیا تھا اور مراد کی تفنگوں سے آگ برسنے لگی تھی اور سوار مرنے لگے تھے۔

دارا نے فتح خاں کو حکم دیا۔

''سپہر شکوہ کو اکبر آباد پہنچا دو۔''

اور خود گھوڑا بڑھا کر چلا کہ دشمن کے گولوں کا شکار ہو جائے لیکن جانثاروں نے رکاب پر سر رکھ دیئے اور مراجعت کی گذارش کی کہ ابھی شہنشاہ زندہ ہے۔ سلطان سلیمان شکوہ کوچ پر کوچ کرتا دارالخلافت پہنچ رہا ہے۔ پنجاب، کابل، الہ آباد اور سندھ اس کے حکم کے پابند ہیں اور یہ کہ ایسے ایسے کتنے ہی لشکر چشم زدن میں تیار کئے جا سکتے ہیں۔

اور دارا دوسروں کے ہاتھوں میں گھوڑا دے کر اکبر آباد کی طرف مڑ گیا۔ ساموگڑھ کی لڑائی شاہجہاں کے دو بیٹوں کے مابین تخت و تاج کے حصول ہی کے لئے نہیں لڑی گئی بلکہ یہ دو نظریوں کی جنگ تھی جس کا فیصلہ ساموگڑھ کے صفحے پر تلوار کی نوک سے لکھا گیا۔ سیاسی تہذیبی اور عسکری نقطۂ نظر سے یہ جنگ ہندوستان کی اہم ترین جنگوں میں سے ایک

تھی۔ ساموگڑھ نے یہی نہیں کیا کہ ہندوستان کا تاج دارا سے چھین کر اورنگ زیب کے سر پر رکھ دیا بلکہ مغل تاریخ کے اس زرّیں باب پر مہر لگا دی جسے اکبر کا عہد کہا جاتا ہے۔ وہ عہد جس نے سیاست کو قومیت کا اعتبار عطا کیا تھا جس نے ہندوستان کے قدیم ادب کو نئی زندگی اور نئی تفسیر کا خلعت پہنایا تھا جس نے پرانے فنون لطیفہ کو ثقاہت اور استناد کا حق بخش دیا تھا۔ وہ مبارک عہد وہ سنہرا زمانہ مجدد الف ثانی کی تحریک احیاء کے ہاتھوں ساموگڑھ کے میدان میں ہار گیا۔ خاک و خون میں نہلا دیا گیا۔ وہ علم اس طرح سرنگوں ہو گئے کہ پھر کبھی کسی کاندھے پر اس شکوہ سے نہ لہرا سکے۔

اس میدان میں داراشکوہ نے اپنی شاندار فوج ہی نہیں کھوئی بلکہ وہ خود اعتمادی بھی گم کر دی جو بڑی بڑی تباہیوں کو انگیز کر لیتی ہے اور عظیم الشان تعمیروں کی بنیادیں ڈال دیتی ہے۔ اب داراشکوہ کی ٹوٹی ہوئی کشتی سیہ بخت طوفان کی چنگھاڑتی موجوں کے رحم و کرم پر تھی۔ تقدیر نے دارا کو اس لئے زندہ بچا لیا تھا کہ بدنصیب ولی عہد سے ان بے محابا عشرتوں کے ایک ایک قطرے کا حساب لینا تھا جو کشور ہند کے سب سے شاندار شہنشاہ نے اس پر روا رکھی تھیں۔

دو کروڑ کا ساز و سامان لوٹ کر فاتح اورنگ زیب نے ''فلک بارگاہ'' میں قیام کیا۔ اپنے امرائے نامدار کے ساتھ نواب خلیل اللہ خاں اور برق انداز خاں (سید جعفر) کو جاگیر اور منصب سے نہال کیا اور دوسرے دن چھوٹے چھوٹے کوچ کرتا ہوا اکبر آباد میں داخل ہونے کے بجائے باغ عماد الدولہ میں بارگاہ نصب کر دی۔ گوش گذار کیا گیا کہ شہنشاہ کے عنایت کئے ہوئے اشرفیوں سے لدے ہوئے خچروں اور روپیوں سے لدے اونٹوں اور جواہرات کے صندوقوں کے ساتھ داراشکوہ شاہجہاں آباد کی طرف کوچ کر چکا ہے۔ شاہجہاں آباد کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے اور قلعہ مبارک کا اس طرح محاصرہ کر لیا گیا کہ اکبری مسجد کے فصیلوں پر توپیں چڑھا دی گئیں اور جمنا پر فرات کی طرح پہرے بٹھا دیئے گئے۔ بوڑھا اور بیمار شہنشاہ جو ساموگڑھ کے ناقابل یقین انجام سے بے حواس تھا اور نڈھال ہو گیا۔

دنیا پرست جو اٹھتے ہوئے آفتاب کی پرستش کرتے ہیں دن دہاڑے کھلے خزانے قلعۂ معلی کی ملازمت چھوڑ چھوڑ کر اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہونے لگے۔ تاہم

شاہجہاں قلعہ کی مدافعت کرتا رہا لیکن جب قلعہ معلّٰی کا کنواں پانی کی کفالت نہ کر سکا اور محافظ فوج جو چند ہزار نفوس پر مشتمل تھی بددل ہونے لگی تو بادشاہ بیگم (جہاں آرا بیگم) شہنشاہ کی آخری سفارت کے فرائض انجام دینے کی تیاری کرنے لگیں۔

ہمیشہ کی طرح ایک ہزار عصا بردار سڑک کو راہ گیروں سے پاک کرنے کے لئے نکلے۔ محاصرہ کئے ہوئے لشکر نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اورنگ زیب چاہتا تھا قلعۂ معلّٰی کو براہِ راست تلوار سے قابو میں لانے کے بجائے شاہجہاں کو خود دروازے کھول دینے پر مجبور کر دے اس لئے باہر آنے پر کوئی پابندی نہ تھی کیوں کہ اس طرح شاہجہاں کی قوت گھٹ رہی تھی لیکن داخلے پر سخت تر پابندیاں تھیں۔ پھر ایک ہزار خواجہ سرا طلائی ساز وسامان سے آراستہ گھوڑوں پر سوار ہو کر ہمرکاب ہوئے بیگم صاحب کے جواہر نگار چنڈول کے چاروں طرف ایک ہزار اورزبک اور راجپوت خواصوں کا منظّم ہجوم تھا جو زرگھوڑوں پر سوار تھیں اور دستانہ پوش ہاتھوں میں تلواریں علم کئے تھیں اور ان کی آنکھوں تک پر جالی کے نقاب پڑے تھے۔ پشت پر ایک ہزار برقنداز تفنگیں اور زنبوریں لئے ہاتھیوں اور گھوڑوں پر سوار تھے۔ چنڈول پر پڑی ہوئی موتیوں کے چلمنوں کے پیچھے بادشاہ بیگم تھی اور دیکھ رہی تھی۔

وہ آگ سے جلنے کے بعد صحت یاب ہو چکی ہے اور شہنشاہ نے جشن صحت کا حکم دیا ہے اور شاہجہاں آباد کا لال قلعہ ملکہ کی طرح سجا ہوا ہے اور اس کی صحت کی مبارکباد دینے کے لئے بنگال سے شاہزادہ مراد باریاب ہو چکا ہے لیکن شاہزادہ اورنگ زیب حاکم دکن معتوب ہو چکا ہے۔ جمنا کے کنارے اپنا لشکر لئے پڑا ہے اور شہنشاہ داراشکوہ کے اشارے پر حضوری سے انکار کر چکا ہے اور اورنگ زیب کا بڑا بیٹا اس کا بھتیجا شاہزادہ سلطان محمد اپنے باپ کی سفارش کے لئے اس محل میں مقیم ہے۔ پھر وہ شاہجہاں سے ضد کرتی ہے تو شاہجہاں قبول کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے۔ اورنگ زیب کی نذر قبول ہوتی ہے لیکن خلعت عطا نہیں ہوتی، قصور معاف نہیں ہوتا۔ صوبہ دکن کی امارت واگذار نہیں ہوتی اور اورنگ زیب اس کے حضور میں پیش ہو کر خراج پیش کرتا ہے، گھٹنوں پر گر کر اس کا دامن پکڑ لیتا ہے اور ظلِ سبحانی سے سفارش کی درخواست کرتا ہے۔

اور صرف اس کے کہنے سے اس کے اصرار سے ظلِ سبحانی اورنگ زیب کی خطائیں معاف فرماتے ہیں، خلعت پہناتے ہیں اور دکن کی امارت بھی عطا ہوتی ہے۔ اورنگ زیب اس کے احسانوں کے بوجھ سے لدا ہوا رخصت ہو جاتا ہے۔ اسی اورنگ زیب سے اکبر آباد کے حاکم سے ہندوستان کے فاتح سے آج پہلی بار وہ کچھ مانگنے جا رہی تھی۔

بیگم صاحب کے ہاتھیوں کے نشانوں کو دیکھتے ہی اورنگ زیب نے حکم دیا شاہزادہ محمد، بہادر خاں کوکتاش، خانخاناں نجابت خاں اور خان زماں اسلام خاں پا پیادہ پیشوائی کو بڑھیں اور چنڈول پر نگاہ پڑتے ہی وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ چنڈول کے پیچھے چلتا ہوا اپنی بارگاہ تک گیا۔ بادشاہ بیگم کے برآمد ہوتے ہی گھٹنوں تک سر جھکا کر کورنش ادا کی۔ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ لے کر ساتھ لایا۔ تخت پر بٹھایا اور خود دوزانو فرش پر بیٹھ گیا۔ کنیزوں کے سروں پر رکھی ہوئی کشتیوں میں تحائف جو شہنشاہ کی طرف سے آئے تھے، بادشاہ بیگم نے اپنے ہاتھ سے پیش کئے۔ انھیں میں اکبری تلوار بھی تھی جس کا نام "دل دریَن" تھا۔ اورنگ زیب نے اس کے قبضے کو بوسہ دیا۔ اب خود شاہجہاں کی ایک تلوار سامنے آئی۔ اس کا نام "عالمگیر" تھا۔ اورنگ زیب نے اس کو اٹھایا اور بوسہ دیا اور کئی بار آہستہ آہستہ "عالمگیر" منھ سے ادا کیا۔ کمر سے اپنی تلوار کھول کر ڈال دی۔ "عالمگیر" نامی تلوار پہن لی اور مدھم لیکن مضبوط لہجے میں بولا۔

"محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر۔"

بادشاہ بیگم نے ابرو اٹھا کر اس کو دیکھا تحائف پیش کرتی رہیں۔ پھر اپنی طرف سے چار لاکھ کے تحفے پیش کئے۔ ان کے ہاتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے لیکن دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اورنگ زیب تخت وتاج سے دست بردار نہ ہوگا۔ ظلِ سبحانی کو برداشت نہ کرے گا تاہم انھوں نے اورنگ زیب سے وعدہ لیا کہ وہ ظلِ سبحانی کے حضور میں پیش ہوگا اور بالمشافہ گفتگو کرے گا، اپنے معاملات کو سلجھائے گا۔ وہ شاہزادہ مراد سے ملے بغیر سوار ہونے لگیں تو اورنگ زیب نے چنڈول کے پاس کھڑے ہو کر پھر اقرار کیا۔

"ظلِ سبحانی کے حضور میں اورنگ زیب کی طرف سے وہ تمام آداب پیش کر دیجئے جو رعایا کے کسی ادنیٰ ترین فرد پر لازم ہوتے ہیں۔ پھر عرض فرمایئے کہ یہ مردود بارگاہ آج ہی شام کو قدم بوسی کے لئے حاضر ہوتا ہے۔"

ظہر کی نماز پڑھ کر اورنگ زیب سوار ہوا۔ پچیس ہزار فوج جلو میں چل رہی تھی اور

اکبرآباد کی پوری آبادی ایک آنکھ بنی ہوئی اپنے نئے شہنشاہ کو دیکھ رہی تھی اور اس کی سواری اکبری مسجد کے سامنے آ گئی تھی کہ نواب شائستہ خاں اور نواب خلیل اللہ خاں حاضر ہوئے اور ایک خط جلو میں پیش کیا جو بظاہر شاہجہاں کی طرف سے لکھا گیا تھا اور جو دارا کے نام تھا لیکن گرفتار ہو گیا تھا۔ اورنگ زیب نے ہاتھی روک لیا اور عماری میں بیٹھے بیٹھے خط پڑھا یعنی شاہجہاں نے مہابت خاں صوبہ دار کابل کو حکم بھیجا ہے کہ وہ پچاس ہزار سواروں پر مشتمل ایک نئی فوج آراستہ کر کے اور پنجاب میں مقیم شاہی فوجوں کے ساتھ شاہجہاں آباد کی طرف حرکت کرے اور اسی اثنا میں اگر اورنگ زیب اس سے ملنے قلعہ معلٰی کے اندر آ گیا تو اوزبک عورتیں اس کی بوٹیاں اڑا دیں گی۔ اورنگ زیب نے بظاہر اس خط کی صداقت پر تامل کیا تاہم احتیاط کے پیش نظر قلعہ میں داخل ہونا ملتوی کر دیا اور داراشکوہ کے محل میں اتر پڑا۔

چندروز بعد شاہجہاں نے مجبور ہو کر قلعہ حوالے کر دیا۔ شاہزادہ محمد سلطان قلعہ میں داخل ہو گیا۔ خزانوں اور کارخانوں پر قبضہ کر لیا۔ اکبرآباد سے فرصت پا کر اورنگ زیب شاہجہاں آباد کے لئے سوار ہوا۔ شاہزادہ مراد جو تاج پہنتا تھا اور تخت پر بیٹھتا تھا اور اپنے خواصوں کے مشورے پر ایک منزل کے فاصلے سے کوچ و مقام کرتا تھا۔ ایک دن دعوت میں مدعو کیا گیا۔ ہرچند کہ جاں نثاروں نے اسے سمجھایا کہ اورنگ زیب نے فتح کے بعد ساموگڑھ میں داراشکوہ کی بارگاہ آپ کو دینے کے بجائے خود استعمال کی۔ ظل سبحانی سے نامہ و پیام اپنی ذات تک محدود و مخصوص رکھا۔ قلعہ معلٰی اپنے بیٹے کے اختیار میں دے دیا۔ بادشاہ بیگم سے آپ کی ملاقات کا انتظام نہ ہونے دیا۔ داراشکوہ کا بے نظیر محل اپنے عمل میں رکھا۔ اس صورت میں آپ کو اپنے لشکر سے جدا نہ ہونا چاہئے لیکن مراد اورنگ زیب کی شکارگاہ کا ایک معصوم پرندہ ثابت ہوا۔ چند جاں نثاروں کے ساتھ دعوت میں شریک ہوا۔ شراب پی کر آرام کرنے لگا۔ ابھی آنکھ جھپکی تھی کہ تقدیر سو گئی۔ شیخ میر نے پیروں میں زنجیریں ڈال دیں۔ چار ہاتھیوں پر بند عماریاں رکھی گئیں۔ ہر عماری پر چار ہزار سوار متعین کئے گئے اور چاروں ہاتھی مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔ انھیں میں سے ایک میں مراد سوار تھا، قید تھا اور گوالیار پہنچا دیا گیا۔ اور جب پوست کا پانی اس کے بے پناہ جسم پر اثر نہ کر سکا تو ایک فرضی مقدمہ قائم کیا گیا اور گردن اڑا دی گئی۔ اورنگ زیب نے مرزا راجہ جے سنگھ اور دلاور خاں روہیلہ کو فرامین لکھے کہ سلطان سلیمان شکوہ کا ساتھ چھوڑ کر حضور میں حاضر ہو جائیں ورنہ ان کی آل

اولاد سے آباد شہروں اور قلعوں کو زمین کے برابر کر دیا جائے گا۔ جس نے ظلِ الٰہی کو معزول کر دیا ہو۔ داراشکوہ سے اکبرآباد اور شاہجہاں آباد کو خالی کرا لیا ہو اس کے فرمان کے آگے سر نہ جھکانا ہندوستان میں کسی امیر سے ممکن نہ تھا۔ داراشکوہ کو پنجاب کی طرف ڈھکیل کر اس نے شجاع کا رخ کیا۔ کھجوہ کی ایک لڑائی لڑ کر شاہزادے کو آسام میں گمنام موت مر جانے پر مجبور کر دیا۔ اچانک پتہ چلا کہ داراشکوہ اجمیر کی طرف حرکت کر رہا ہے اور وہ زبردست لشکر کے ساتھ اجمیر پر چڑھ آیا۔ اکبرآباد، شاہجہاں آباد، لاہور، گجرات اور اجمیر، جہاں جہاں سے وہ گزرا بداقبالی سائے کی طرح لگی رہی۔ اورنگ زیب کی تلواروں کا تعاقب نقش پا کی طرح پیچھے لگا رہا۔ جب داراشکوہ دادر پہنچا تو اشرفیوں کے اونٹ اور جواہرات کے صندوق لٹ چکے تھے۔ توشہ خانہ برباد ہو چکا تھا۔ اب داراشکوہ تخت سے مایوس ہو چکا تھا۔ سلطان سلیمان کی ہزیمتوں کی خبروں پر کہ وہ کشمیر کی پہاڑیوں میں بے یار و مددگار ٹھوکریں کھا رہا ہے رو چکا تھا لیکن زندہ تھا۔ دادر میں جیسے تقدیر نے یہ روشنی بھی گل کر دی۔ نادرہ بیگم جو شاید مغل تاریخ کے عہد زرّیں کی سب سے بدنصیب بیگم تھی اس کا لڑکپن سلطان خسرو کی دردناک موت پر روتے گزرا تھا اور اب چھتیس برس کی عمر میں سب سے بڑے اور لاڈلے بیٹے سلیمان کی بھیانک گم شدگی پر خون رو رہی تھی اور اب اجمیر کی شکست کے بعد داراشکوہ کے مستقبل سے مایوس ہو چکی تھی اور ہر گھڑی اپنی زندگی کی سب سے بھیانک خبر سننے کے اندیشے سے بے قرار رہتی تھی۔ ایک رات انگشتری کے نگینے کے نیچے رکھا ہوا زہر کھا کر سو رہیں اور دارا کی کمر جو چوالیس برس کی عمر ہی میں جھک گئی تھی ٹوٹ گئی۔ اس نے آنسو خشک کئے کہ اب صرف روتے رہنے کے علاوہ زندگی میں کچھ رکھا نہیں تھا۔ اور ان سواروں کو طلب کیا جو ہتھیلی پر جانیں رکھے سپر کے مانند اس پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ سات خواجہ سراؤں کو روک کر سبھوں کو حکم دیا کہ بیگم کے جنازے کے ساتھ لاہور جائیں اور حضرت شیخ میر کے مقبرے میں دفن کریں۔ پھر ایک قاصد کے ذریعہ دادر کے زمیندار ملک جیون کو یاد کیا۔ جیون وہ شخص تھا جو کسی سنگین جرم میں ماخوذ ہوا تھا اور شاہجہاں نے اسے ہاتھی کے پیروں کے نیچے ڈال دینے کا حکم صادر کیا تھا لیکن دارا نے کسی خدمت گزاری کی سفارش پر اس کی جان بخشی کا پروانہ حاصل کر لیا تھا۔ وہی ملک جیون دادر کا زمیندار تھا۔ دارا کی آمد کی خبر سن کر اپنی گڑھی سے دو کوس دور تک پاپیادہ پیشوائی کو حاضر ہوا۔ دارا کے گھوڑے کا تین

بار طواف کیا، رکاب کو بوسہ دیا۔ اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

''غلام کی آل اولاد صاحب عالم کے گھوڑوں پر نچھاور ہونے کو حاضر ہے۔''

دارا نے جس کی آنکھیں بیگم کی موت کے بعد سے اکثر پرنم رہتی تھیں آنسوؤں سے دھندلی نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور احسان سے گراں بار آواز میں بولا۔

''اگر جنت آشیانی ہمایوں کی طرح ہمارے ساتھ بھی تقدیر نے یاوری کی تو ہم خود تمہاری وفا کا انعام دیں گے ورنہ خدائے بزرگ و برتر اس کا اجر دے گا۔''

''ملک ایران یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''ایران؟ صاحبِ عالم ان پہاڑیوں کے قدموں سے ایران شروع ہو جاتا ہے ......قندھار یہاں سے صرف تین منزل ہے۔''

''ہماری خواہش ہے کہ ایک رات تمہارے ساتھ بسر کر لیں اور صبح ہوتے ہی تمہاری رہبری میں ایران کے لئے سوار ہو جائیں۔''

''غلام دنیا کے اس کونے تک بھی صاحبِ عالم کے ہمرکاب رہنے کو حاضر ہے لیکن ذرّے کو مہمان نوازی کا شرف عطا کیا جائے۔''

دارا خاموش ہو گیا اور پھر کچھ سوچ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ سپہر شکوہ چودہ برس کا شہزادہ سات خواجہ سراؤں کے ساتھ پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔



تین دن کی مہمان نوازی کے بعد دارا سوار ہو گیا۔ فیروز میواتی کے پیش کئے ہوئے نو گھوڑوں پر یہ مختصر سا شاہی قافلہ خوشگوار دھوپ میں جگمگاتے جنگلی پھولوں کے درمیان لہراتی ہوئی پگڈنڈیوں پر گذر رہا تھا۔ ملک جیون آگے آگے رہبری کر رہا تھا۔ دارائی سواری کے پیچھے بیاس کے پچاس مسلح سوار چل رہے تھے۔ ابھی وہ داور سے دو میل نکلے تھے کہ جیون کے سواروں نے دفعتاً گھوڑے چکا کر دارا کے گرد حلقہ ڈال دیا۔ دارا سر جھکائے اپنے زخمی خوابوں میں ڈوبا چلا جا رہا تھا اس حرکت پر چونک پڑا۔ نگاہ اٹھائی تو جیون گھوڑا پھیرے کھڑا تھا ہاتھ میں تلوار علم تھی۔ دارا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''جیون .... تم؟''

''صاحب عالم تلوار رکھ دیں۔''

کئی وحشی بلوچیوں نے ایک ساتھ دارا کی تلوار پر ہاتھ ڈال دیا — سپہر شکوہ جو ایک لمحہ کے لئے اس حادثہ پر چکرا گیا تھا دارا کی تلوار پر ہاتھ پڑتے دیکھ کر تڑپ گیا اور اپنی چھوٹی سی تلوار کھینچ کر حملہ کر دیا لیکن بکتر پوشوں پر اس کی نا آزمودہ کار تلوار کا کیا اثر ہوتا۔ چند لمحوں میں اسے قابو میں کر لیا گیا۔ جب ملک جیون کے آدمی سپہر شکوہ کے ہاتھ رسیوں سے باندھنے لگے تو دارا چیخ پڑا۔

''غدار...... گستاخ...... بے ادب...... یاد رکھ سپہر شکوہ ایک بد اقبال باپ کا بیٹا ہی نہیں شاہجہاں کا پوتا اور عالمگیر کا بھتیجا بھی ہے۔ آل تیمور پر اٹھنے والے ہاتھ ایک نہ ایک دن قلم ہو کر رہیں گے۔''

لیکن ملک جیون اورنگ زیب عالمگیر سے ساز باز کر چکا تھا۔ دارا کی مجبور آنکھوں کے سامنے اس کا بچا کھچا سامان لوٹ لیا گیا۔ اس کے بعد سپہر شکوہ کے جواہرات تک اتار لئے گئے۔

بہادر خاں کوکلتاش اور راجہ مرزا جے سنگھ جو دارا کے تعاقب پر مامور تھے دو منزل پر مقیم تھے۔ جیون کا قاصد دیکھتے ہی عقابوں کی طرح اڑے اور دارا کو اپنے اختیار میں لے لیا۔ مرزا راجہ سامنے نہیں آیا۔ سامنے آنے کا متحمل نہ ہو سکا۔ کوکلتاش نے قلمدان دارا کے سامنے رکھ دیا۔

''ٹھٹھ کے قلعہ دار خواجہ سرا بسنت کے نام فرمان لکھئے کہ آپ کے حرم اور خزانے کے ساتھ ہمارے حضور میں حاضر ہو جائے۔''

دارا نے ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر لکھ دیا۔ پھر چار ہاتھیوں میں بند عماریاں رکھی گئیں۔ دارا شکوہ اور سپہر شکوہ کو الگ بٹھایا گیا۔ پیروں میں زنجیریں ڈالی گئیں اور چاروں ہاتھی تین تین ہزار سواروں کے ساتھ مختلف راستوں سے شاہجہاں آباد کے لئے روانہ کر دیئے گئے۔

خضر آباد میں مقیم عالمگیر کے گوش گزار کیا گیا کہ اکبر آباد سے تخت طاؤس لایا جا چکا ہے اور قلعہ شاہجہاں آباد کا دیوانِ عام آراستہ کیا جا چکا ہے اور نجومیوں کی بتلائی ہوئی

مبارک ساعت کل طلوع ہونے والی ہے۔ عالمگیر نے دوسرے دن تخت پر نزول اجلال فرمانے کا اعلان کر دیا۔

مسلم ہندوستان کی پوری تاریخ میں اورنگ زیب کا جشن تاج پوشی اپنی شان وشوکت کے لحاظ سے بے مثل تھا۔ ہر چند کہ شاہجہاں سب سے شاندار مغل شہنشاہ تھا لیکن اس کی تخت نشینی کے وقت تخت طاؤس وجود میں نہ آیا تھا۔ لال قلعہ کے بے نظیر مرصع محلات ابھی تعمیر نہ ہوئے تھے جن کے ویران نظارے آج بھی ہمارے ذہنوں میں طلسمی دریچے کھول دیتے ہیں۔ وہ دل بادل شامیانہ ابھی تیار نہ ہوا تھا جس کے افسانے ساری دنیا میں مشہور ہو گئے تھے۔

فجر کی نماز کے بعد اورنگ زیب خضر آباد سے برآمد ہوا۔ سب سے آگے زیوروں میں گندھے اور قاقم وسنجاب میں ڈوبے ہوئے نوبت کے اونٹ تھے۔ ان کی پشت پر رکھے ہوئے سونے چاندی کے دمامے اور نقارے اور ڈھول گرج رہے تھے۔ نفیریاں گا رہی تھیں اور جھانجھیں بج رہی تھیں۔ ان کے پیچھے بے شمار جنگی ہاتھی دوہری قطاروں میں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ وہ زریں عماریں اطلسی جھولیں، طلائی گھنٹیاں اور نقرئی زنجیریں پہنے تھے۔ ان کی پشت پر مغل شہنشاہ کے ماہی مراتب وطوغ وعلم اور اظہار ونشان تھے۔ ان کے بعد وہ منظور نظر گھوڑے تھے جن کی رکابیں سونے کی تھیں اور لگامیں مرصع تھیں۔ ان کے پیچھے جنگی ہاتھیوں کی قطاریں تھیں جو فولادی پاکھروں میں غرق تھے۔ آنکھیں لوہے کی جالیوں میں بند تھیں اور سونڈ میں کلہاڑے، جمدھر اور گرز چمک رہے تھے۔ ان کے پیچھے برق اندازوں، تفنگ برداروں اور تیر اندازوں کے گھنے دستے تھے۔ ان کے عقب میں وہ جلیل القدر عالمگیری سپہ سالار اور مرزا اور خاں اور نواب اور سنگھ اور امیر اور راجے تھے جنھوں نے اپنی تلواروں سے اورنگ زیب کی مرضی کے مطابق ہندوستان کی تاریخ بنائی تھی اور اب روئے زمین کے سب سے بڑے فیل خانے کا سب سے شاندار ہاتھی تھا جس کی پشت پر رکھے ہوئے تخت زرنگار پر بلخ سے دکن اور بلوچستان سے آسام تک تمام کشور ہندوستان کا مطلق العنان شہنشاہ محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی پورے جاہ وجلال کے ساتھ متمکن تھا۔

ہر چند اس کی عمر چالیس سے تجاوز کر چکی تھی تاہم ایشیائی شاہزادوں کے برخلاف اس کی جفاکش زندگی نے جسم کو تناسب اور کسی قدر دبلا بنائے رکھا تھا۔ بیضاوی چہرے پر دہ

لانبی کھچڑی داڑھی تھی جس کے سائے میں تمام ہندوستان کے قاضیوں کے مذہبی منصوبوں کے آشیانے تھے۔ بے شکن بلند پیشانی پر ٹھنڈی، پتھریلی، سنجیدہ آنکھیں چمک رہی تھیں جس کی متانت کو نہ دنیا کا کوئی خوف وہ خطر متاثر کر سکتا تھا اور نہ رحم وکرم کا کوئی جذبہ متزلزل کر سکتا تھا۔ اس کے بعد فوج کے مشہور دستے پوری تنظیم کے ساتھ اپنے اپنے امیروں کی رکاب میں حرکت کر رہے تھے۔ ہاتھیوں کی پشت سے سونے چاندی کے پھول اور سکے مسلسل برس رہے تھے جسے جلوس شاہی کو دیکھنے کے لئے امنڈ آنے والا آدمیوں کا سمندر لوٹ رہا تھا۔ وہ شاہجہاں آباد کے بازاروں سے گزرتا لاہوری دروازے کے راستے سے قلعہ معلیٰ میں داخل ہو گیا۔

وہ بے مثال ساز وسامان جسے تین پشتوں کی شہنشاہی اور دنیا کی سب سے دولت مند سلطنت نے جمع کیا تھا، اظہار میں لایا گیا۔ آراستہ دیوان عام کورنش کے لئے کھڑا تھا۔ ستون اس زربفت سے منڈھے گئے تھے جس کا تانا سوت کا اور بانا سونے کا تھا۔ چھت پوش پر مرصع فانوسوں کے چاند تارے چپکائے گئے تھے۔ دیواروں پر ایران وگجرات کا وہ زربفت پڑا تھا جس کی تصویروں میں بادشاہوں کی مشغولیات کی عکاسی کی گئی تھی۔ محرابوں میں طلائی زنجیریں جھول رہی تھیں جن میں جواہر نگار گیند چمک رہے تھے۔ مرصع گلال بار میں عجائبات عالم میں شمار ہونے والا تخت طاؤس رکھا تھا۔ تخت کے سامنے دو بے نظیر شاہی شمگیرہ کھڑا تھا جس کے چاروں ستون جواہر سے ہفت رنگ تھے اور جو رسیوں کے موتیوں کی زنجیروں کے سہارے کھڑے تھے اور اس کے فرش پر لعل وجواہر سے بنا ہوا قالین بچھا تھا۔ تخت طاؤس کے دونوں طرف دو گوہر نگار چھتر کھلے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے زرخالص کے دو دیوان بچھے تھے اور ان پر شہنشاہ کے ہتھیار رکھے تھے۔

دیوان عام کا تمام صحن دل بادل شامیانے کے سائے میں تھا جسے ہزاروں مزدوروں اور درجنوں ہاتھیوں نے کئی دنوں میں کھڑا کیا تھا۔ اس کا سرخ زرنگار مخمل گنگا جمنی ستون، شفق رنگ چھت اور صدر رنگ قالینوں کا فرش دھوپ میں اس طرح چمک رہا تھا کہ آنکھیں خیرہ کئے دے رہا تھا۔

ایوان کا بیرونی حصہ سونے کے حلقوں سے بند کر دیا گیا تھا اور خود ایوان کے اندر ایک مذہب حلقہ کھڑا تھا۔ تاہم دیوان عام سے نظر آنے والی ایک ایک دیوار، دروازہ،

جھروکہ، برج اور محراب پر چینی اور ترکی اطلس کے پردے تھے اور ایک جیپہ سپہ سالاران سلطنت، امیرانِ حکومت، نوابانِ والا تبار، راجگانِ جلاوت آثار، قاضیانِ عظام، مفتیانِ کرام اور عمائدین کے خدم وحشم سے چھلک رہا تھا۔ شہنشاہ کے تخت طاؤس پر قدم رکھتے ہی نوبت خانہ شاہی کے سیکڑوں باجے بجنے لگے۔ ماہرین فن سازنوازوں کی دھن چھیڑتے ہیں۔ ثریا پیکر اور ستارہ لباس رقاصاؤں نے تھرکنا شروع کر دیا۔ کشور ہند کے قاضی القضاۃ نے ممبر پر کھڑے ہو کر خدا کی حمد اور رسول کی منقبت سے خطبہ کا آغاز کیا۔ تخت خلافت پر قدم رکھنے والے ہر نام کے ہونٹوں سے ادا ہوتے ہی ایک خلعت بے بہا کے عطا کئے جانے کا اعلان ہوتا رہا اور جیسے ہی قاضی اعظم نے محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کا نام لیا، خلعتوں، جواہروں، اشرفیوں اور روپیوں کا پہاڑ کھڑا ہو گیا۔ پھر لٹا دیا گیا۔ حاضرین دربار نے اپنی جگہوں پر کھڑے کھڑے ہاتھ بڑھا کر تبرک کے طور پر جو مل سکا اٹھالیا۔ پھر زمین بوس ہو کر خلیفہ وقت کے عمر و اقبال کی دعائیں دیں۔ حسب مراتب نذریں گزاریں۔ اس وقت جب کہ نامی گرامی امیر نذریں گذار چکے تھے اور خلعت بے بہا کا انعام پا چکے تھے۔ میر عدل نے التماس کیا۔

''باغی شہزادہ جو گرفتار ہو چکا ہے عنقریب دارالخلافت میں حاضر ہونے والا ہے۔''

عالمگیر نے ایک ابرو اٹھا کر اس خبر کو سنا مگر کوئی جواب دیئے بغیر اس راجہ کو دیکھنے لگا جو نذر پیش کر رہا تھا۔

دیوانِ عام میں تین گھڑی جلوس فرما کر شہنشاہ دیوان خاص میں طلوع ہوا جس کی عمارت کے لعل و جواہر جگمگا رہے تھے اور جو سو برس سے جمع کئے جانے والے عجیب و غریب اور نادر ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے دانش مند خاں کو مخاطب کیا۔

''اس بد بخت کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟''

دانشمند خاں شاہجہانی امراء میں سے ایک تھا اور دکن کی لڑائیوں میں اورنگ زیب کے ہمرکاب کیا گیا تھا اور جو اپنی ذہانت کی وجہ سے اورنگ زیب کا مقرب ہو گیا تھا۔ خانہ جنگی کے زمانے میں پردے کے پیچھے رہ کر کڑے وقت میں اورنگ زیب کی رہبری کر چکا تھا اور اپنی دور اندیشی اور دانش مندی کے لئے مشہور تھا اس لئے شاہجہاں کی سرکار سے دانش مند کا خطاب حاصل کر چکا تھا۔ ہر چند کہ خان داراشکوہ کو پسند نہیں کرتا تھا

لیکن بلا تامل ملتمس ہوا۔

''اب جب کہ خدائے بزرگ و برتر نے خلیفہ وقت کو تخت طاؤس پر جلوس آرائی کا شرف عطا کر دیا ہے۔ دشمن پامال ہو چکے اور کشور ہندوستان قدم مبارک کے نیچے ہے۔ ظل الٰہی کی چشم پوشی کا تقاضا ہے کہ بد اقبال شاہزادے کی جان سے درگزر کیا جائے اور گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا جائے۔''

اورنگ زیب خان کا یہ جواب سن کر چپ ہو گیا لیکن اس کے پتھریلے چہرے کے خطوط اور سخت ہو گئے۔ چشم و ابرو کی ہر جنبش کے راز دار امیر تکدر سے واقف ہو گئے۔ غدار اور چالاک وزیر الملک نواب خلیل اللہ خاں نے ہاتھ باندھ کر گذارش کی۔

''غلام کی ناچیز رائے میں شاہزادے کو زندہ رکھنا آئین سیاست کے خلاف ہے۔ ہزاروں میل میں پھیلے ہوئے اس ملک میں جب کبھی کوئی فتنہ سر اٹھائے گا تو اس کی سازشی کمندیں گوالیار کے قلعہ کا شکار کھیلنے کی جسارت کریں گی اور شاہزادے کو نشان کا ہاتھی بنا کر اپنی خواہشات کی تکمیل کا خواب دیکھیں گی۔''

عالمگیر کے گوہر نگار عمامے کی کلغی لرز گئی اور چہرے پر بشاشت دوڑ گئی۔

نواب شائستہ خاں دست بستہ حاضر تھا۔ نواب اس خاندان کا چشم و چراغ تھا جس کو یہ شرف حاصل تھا کہ اس کے آفتابوں نے یکے بعد دیگرے دو شہنشاہوں کے دلوں پر حکومت کی ہے۔ اعتماد الدولہ اور آصف خاں کے وارث نے لقمہ دیا۔

''بندہ درگاہ کی ناچیز رائے میں فتنے کا سر کچلنے کے بجائے اس کو پیدا ہونے سے روک دینا عین دانش مندی ہے۔''

عالمگیر نے متانت سے اس ''صائب'' رائے کو سنا اور دربار برخاست کئے جانے کا اشارہ کیا۔

پھر لال قلعہ کے ان محلات خاص میں ورود کیا جو شہنشاہ کے استعمال میں رہتے تھے اور خود شہنشاہ کی ذات کی طرح آراستہ و پرشکوہ تھے اور جہاں اورنگ زیب کو کھڑے ہونے کی اجازت بھی بہت کم نصیب ہوتی تھی۔ خود اورنگ زیب گوشہ سلطانی کی تزئین و آرائش دیکھ کر دنگ ہو گیا جس سے زیادہ انسانی تخیل سوچنے سے معذور ہے۔ روشن آرا کے جلو میں بیگمات شاہی مبارکباد کو حاضر ہوئیں۔ گرانبار نذریں پیش کیں...... اشرفیوں

زیوروں .... وظیفوں اور جاگیروں کے انعام حاصل کئے۔ پھر عالمگیر نے روشن آرا کو مخاطب کیا۔

"بادشاہ بیگم۔"

یہ لفظ سنتے ہی سیکڑوں آوازوں نے اس عظیم الشان خطاب پر روشن آرا کو مبارکباد دی۔ یہ وہ خطاب تھا جو سالہا سال سے جہاں آرا بیگم کا سرمایۂ افتخار تھا۔ تہنیت کا شور جاری تھا کہ کنیزیں پیچھے ہٹ گئیں۔

تب عالمگیر نے کہا۔

"وہ بدنصیب دارالحکومت کے حدود میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کے مستقبل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

روشن آرا بیگم کا چہرہ جیسے چمک اٹھا۔ وہ اپنی مسند سے اٹھی۔ ایک بار پھر اس مبارک خبر کے لئے مبارکباد دی۔ دوسری نذر پیش کی اور مضبوط لہجے میں بولی۔

"داراشکوہ کے مستقبل کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ جب تک وہ زندہ ہے ظل سبحانی سلطنت کی بازیابی کے خواب دیکھتے رہیں گے۔ اور غدار جو آپ کی تلوار کے خوف سے چپ ہیں سازشیں بننے لگیں گے اس لئے جلد از جلد اس بد اقبال (دارا) کا قصہ پاک کر دیجئے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سکون میسر ہو۔"

عالمگیر نے بہن کو ایک لاکھ دینار سرخ اور خلعت بے بہا کا دوسرا انعام دیا شاید اس مشورے سے محظوظ ہو کر۔

خواص پورہ کے ایک محل کے چاروں طرف، عالمگیری لشکر کی دیوار کھڑی ہو گئی ڈیوڑھی پر زنبوروں، تفنگوں اور توپوں کا پہرہ قائم ہو گیا۔ پھر ایک ہاتھی نظر آیا جس کی پیٹھ پر بند عماری رکھی تھی اور حفاظت پر تین ہزار تلواریں جلو میں لئے بہادر خاں کوکلتاش مستعد تھا۔ ہاتھی کے پیچھے ملک جیون اپنے بلوچ عزیزوں، دوستوں اور سپاہیوں کے ساتھ مستعد تھا۔ پوری احتیاط اور مکمل انتظام کے بعد عماری کھولی گئی اور بہادر خاں کے اشارے پر داراشکوہ نے بیڑیوں سے بوجھل پاؤں سیڑھی پر رکھ دیئے۔

دارا کے سوتی میلے کپڑے پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چہرہ سیاہ ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ وہ سر پر سوتی عمامہ باندھے تھا۔ اس میں سرپیچ تھا نہ جیغہ

نہ کلغی۔ اس کے جسم پر موٹا خاکستری سوتی کرتا تھا اور اس سے گیا گزرا پائجامہ تھا جس کی مہریوں سے بدرنگ چمڑے کی حقیر گرگابیاں جھانک رہی تھیں۔ کاندھے پر ایک بیجنی رنگ کی موٹی چادر پڑی تھی۔ اجاڑ بدہیئت داڑھی تقریباً سفید ہو گئی تھی۔ کھچڑی کاکلیں کندھوں پر ڈھیر تھیں۔ ہزاروں سپاہیوں کی ٹکٹکی باندھے ہوئی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں لیکن وہ نظریں چرائے خاموش کھڑا تھا۔ پھر سپہر شکوہ اتارا گیا۔ بدنصیب شہزادہ اور دبلا اور پیلا ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول دی گئیں۔ اس نے اپنے آزاد ہاتھوں سے پہلا کام یہ کیا کہ دارا کے قریب جا کر اپنے کثیف کرتے کے دامن کو پنکھے کی طرح ہلانے لگا۔ دارا نے گوشۂ چشم سے مجبور بیٹے کی یہ خدمت دیکھی تو اس کے پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔ سر کے اشارے سے منع کر دیا۔ پھر ایک میلی کچیلی ہتھنی بٹھادی گئی۔ اس پر نہ ہودج تھی نہ عماری۔ صرف کھجور کی چھال کے پتلے پتلے گدے بندھے تھے۔ سب سے پہلے دارا کو سوار کرایا گیا۔ اس کے آگے سپہر شکوہ کو بٹھا دیا گیا اور پیچھے ایک بلوچ ننگی تلوار لے کر بیٹھ گیا۔ بہادر خاں کے چھ ہزار سوار چمکتے ہوئے چہار آئینوں میں بند ننگی تلواریں علم کئے آگے آگے چل رہے تھے۔ اس کے بعد دارا کی پست قد ہتھنی تھی۔ اس کے پیچھے چھ ہزار سوار برقنداز تھے جن کی تفنگیں بھری ہوئی تھیں اور اونٹوں پر چڑھی ہوئی زنبوریں تیار تھیں۔

جب شاہجہاں آباد کے گنجان بازاروں سے دارا کی رسوائی کا بدقسمت جلوس گزرا تو سڑکیں اور چھتیں اور چبوترے اور دروازے انسانوں سے بھر گئے۔ عالمگیر نے دارا کو کوچہ د بازار میں اس لئے پھرایا تھا کہ رعایا اس کا انجام دیکھ لے تاکہ کسی وقت کوئی جعلی داراشکوہ کھڑا ہو کر تخت و تاج کا دعویٰ نہ کر سکے۔ لیکن ہوا یہ کہ ولی عہد سلطنت کی غداری کا یہ بھیانک منظر دیکھ کر رعایا بیقرار ہو گئی۔ اس قیامت کی آہ وزاری برپا ہوئی کہ تمام شاہجہاں آباد میں کہرام مچ گیا۔ اتنے آنسو بہائے گئے کہ اگر جمع کر لئے جاتے تو دارا اپنے ہاتھی سمیت ان میں ڈوب جاتا۔ اتنے نالے بلند ہوئے کہ اگر ان کی نوائیں سمیٹ لی جاتیں تو شاہجہانی توپوں کی آوازوں پر بھاری ہوتیں۔

ملک جیون پر جو ہزاری امراء کا خلعت پہنے آراستہ عرب گھوڑے پر چل رہا تھا، چھتوں سے گالیوں کی اتنی بوچھار ہوئی کہ وہ نہا گیا۔ اتنا کوڑا کرکٹ اس پر پھینکا گیا کہ وہ امیر کے بجائے مسخرا معلوم ہونے لگا۔ تیز دھوپ میں جھلستا ہوا دارا ان بازاروں سے گزر

رہا تھا جن میں اپنے عہد عروج میں بادشاہوں کی طرح نکلا کرتا تھا۔ غم سے پاگل رعایا نے جگہ جگہ اس کی ہتھنی پر ہجوم کیا اس کے حضور میں غمگین نعرے پیش کئے اور آنسوؤں کی نذریں گذاریں۔ عالمگیر کی عمر اور حکومت کو بددعائیں دیں۔ ہیبت نامی عہدی نے یہ روح فرسا منظر دیکھا تو حواس پر قابو نہ رکھ سکا اور تھوڑے ساتھیوں کے ساتھ تلوار کھینچ کر دارا کے محافظوں پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن ہزاروں تلواروں کے سامنے اس کے چند دلاوروں کی کیا بساط ہو سکتی تھی۔ تھوڑی دیر میں زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔ دارا دیر تک لال قلعہ کے سامنے کھڑا رکھا گیا۔ اس وقت ایک فقیر ہاتھ باندھے ہوئے سامنے آیا۔ آنسوؤں سے بوجھل آواز میں گزارش کی۔

"سلطان ...... کل ...... جب دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا تو اکیلا وارث تھا اور ولی عہد سلطنت تھا اور مہین پور خلافت تھا اور ام البلاد شاہجہاں آباد تیرے ناچیز غلاموں کی سواری کے خدم وحشم سے دہل جاتا تھا۔ میں تجھ سے سوال کرتا تھا۔ صرف تجھ سے اور تو میرا دامن مراد سے بھر دیا کرتا تھا اور میں تیری رحمت وسخاوت کی امید پر اپنے لعل وگوہر کنکروں پتھروں کی طرح لٹا دیا کرتا تھا۔ لیکن جب تیرے آفتاب کا اقبال غروب ہو گیا تو لاکھوں بدنصیبوں کی طرح میرا بھی آرام رخصت ہو گیا۔ اب آج تیرا دیدار نصیب ہوا تو اس حال میں کہ اگر پہاڑ دیکھ لے تو غم سے پانی ہو کر بیٹھ جائے، دریا دیکھ لے تو خشک ہو جائے، باغ دیکھ لے تو اجڑ جائے ...... سلطان اب میں تجھ سے کیا مانگوں ...... تو مجھے کیا دے سکتا ہے ...... اور اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں بھرنے لگا۔

دارا نے پوری کوچہ گردی میں پہلی بار نگاہ اٹھائی۔ آنسوؤں سے دھندلی نگاہ اٹھائی اس شوکت وحشمت کے ساتھ جو صرف مغلوں کے لئے آسمان سے اتاری گئی تھی۔ ہفتوں کے بعد کسی کو مخاطب کیا۔

"وقت نے جو کسی کا غلام نہیں ہوتا ...... لیکن جس کے سب غلام ہوتے ہیں، ہمارا جو عالم کر دیا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ تاہم تو خالی ہاتھ نہیں جا سکتا۔"

اپنے اوپر نظر کی تو چند کثیف کپڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ کاندھوں سے سوتی میلا کھردرا چادر اتار کر اس کی طرف پھینکا۔ فقیر نے وہ چادر زمین سے اٹھائی آنکھوں سے لگائی، سر پر رکھی اور ایک چیخ مار کر ایک طرف کو چلا لیکن کوکلتاش کی آواز بلند ہوئی۔

"قیدی کسی کو بھیک نہیں دے سکتا۔"

دارا نے بہادر خاں کوکلتاش کو حیرت سے دیکھا ـــ گویا پوچھ رہا ہو کہ داراشکوہ کسی کو بھیک نہیں دے سکتا۔ چند سواروں نے جھپٹ کر فقیر کو جالیا اور اس سے چادر چھیننے لگے لیکن فقیر جان دینے پر تلا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کی چھینا جھپٹی کے بعد وہ قابو میں لایا گیا۔ اس کی تار تار کفنی سے جھانکتی ہوئی چاندی کی سی جلد اس کے ہاتھوں اور چہرے سے مختلف پائی گئی۔ چہرے پر ملا ہوا بھبھوت جھڑایا گیا تو دارا چونک پڑا ...... سامنے ...... لالہ کھڑی تھی لالہ ...... بلخ کی لالہ ...... قندھار کی لالہ ...... چنبل کی لالہ ...... اور دارا کے سامنے وہ زنجیروں میں جکڑی جا رہی تھی۔ چاروں طرف سے چڑھ آنے والے اسلامی ہجوم پر سوار گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

پھر بہادر خاں کوکلتاش اپنے قیدی کو ہانک کر خواص پورہ کے محل میں لے گیا۔ پھاٹکوں، برجوں اور فصیلوں پر توپیں چڑھا کر معتبر امیروں کے رکاب میں بھاری پہرہ کھڑا کر دیا۔ عالمگیر جو ہیبت کی جسارت کی خبر سن کر غضب ناک ہو گیا تھا پہلا حکم یہ دیا کہ ہیبت کو اور اس کے ساتھیوں کو نصف زمین پر گاڑ کر شکاری کتے چھوڑ دیئے جائیں اور دوسرا حکم یہ نافذ کیا کہ داراشکوہ کا سر اُتار کر پیش کیا جائے۔

دوسرے حکم پر غلاموں، چیلوں، سیاولوں اور خواجہ سراؤں کی صفوں میں سناٹا ہو گیا۔ اس خطرناک اور دردناک خدمت کے خیال ہی سے دل کانپ گئے۔ دارا کے قتل کا گناہ اپنے ہاتھوں انجام دینا کوئی ایسا مشکل کام نہ تھا لیکن عالمگیر کے مقربین یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ دارا کی موت کا حکم صادر کرنے والا شہنشاہ دارا کی موت کے بعد ہر اس شخص سے انتقام لے گا جس کے دامن پر دارا کے خون کے دھبے نظر آئیں گے۔ یہ اندازہ غلط بھی نہیں تھا۔ خانخاناں نجابت خاں، امیرالامراء نواب خلیل اللہ خاں، میر آتش برق انداز خاں اور راجہ چھیت رائے بندیلہ وغیرہ تمام غداروں سے چند برسوں کے اندر اورنگ زیب نے انتقام لیا۔ خود ملک جیون امارت کے منصب پر پہنچ کر اپنے وطن کی صورت نہ دیکھ سکا۔ داور کے قریب خفیہ احکامات کے ذریعہ اسے کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ جیون کی لاش ملی لیکن اس کے دونوں ہاتھ، سپہر شکوہ کو باندھنے والے ہاتھ، بازو سے قلم تھے۔ دارا کو قتل کرنے والوں کے سر چند ہی ہفتوں میں قلم کرا لئے گئے۔

عالمگیر نے گوشۂ چشم سے ایک ایک چہرے کو دیکھا لیکن حکم کی تعمیل کے خیال سے

خوفزدہ چہروں کو دیکھ کر مکدر ہو گیا۔ پھر صف بستہ غلاموں کی صف سے ایک غلام نذر بیگ نے آگے نکل کر سات سلام کئے اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

"جہاں پناہ اگر اس بندۂ درگاہ کو حکم دیں تو ابھی سر حاضر کر دوں۔"

"جا...... اس اہم خدمت کو انجام دے اور مراحم خسروانہ کا حقدار بن۔"

پھر شہنشاہ نے سیف خاں کی طرف نگاہ کی...... "اس مہم کی سربراہی تمہارے سپرد ہوئی۔"

سیف خاں نے تلطفِ شاہی کی شکر گزاری میں سر جھکا دیا۔

پھر قاضی القضاۃ کی طلبی ہوئی۔ سیاسی قتل کو مذہبی احکام کی پابندی کا اعتبار بخشا گیا یعنی دارا کے قتل کا فتویٰ لے لیا گیا۔ اس وقت بہادر خاں کا پیش خانہ قطب میں لگا دیا گیا۔ چار چنڈول تیار کر کے خواص پورہ کے محل کے سامنے کھڑے کر دیئے گئے۔ ہزار ہا سوار لشکر گاہ سے نکل کر قطب کی طرف حرکت کرنے لگے۔ گویا داراشکوہ بہادر خاں کی حراست میں قید ہونے کے لئے گوالیار جانے والا ہے۔

خواص پور کا محل فوجی مرکز بنا ہوا تھا۔ اندرونی درجے کے سرخ سنگین دالان میں لکڑی کے شمعدان کھڑے تھے۔ بدبودار موم کی بدوضع شمعیں جل رہی تھیں۔ چولھے پر تانبے کی پتیلی چڑھی تھی اور برسات کی گیلی لکڑیوں کے سلگنے سے تمام دالان دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ دھوئیں کی سیاہی اور شمع کی پیلی روشنی میں ایک لڑکے کا چہرہ روشن تھا۔ میلی سوتی آستینوں سے نکلے ہوئے چکیلے ہاتھوں میں تانبے کی رکابی لکڑیاں جلانے کے لئے ہل رہی تھی۔ یہ سپہر شکوہ تھا دارا کا بیٹا اور شاہجہاں کا پوتا تھا اور جو عالمگیر کا داماد بھی ہوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور پتیلی میں مسور کی دال پک رہی تھی۔ مسور کی دال زہر کو ظاہر کر دیتی ہے اس لئے قرون وسطیٰ میں سیاسی قیدیوں کی واحد غذا بن گئی تھی۔

تھوڑی دور کے فاصلے پر کھجور کی چٹائی پر داراشکوہ دوزانو بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی لگن میں تھوڑا سا آٹا رکھا تھا جسے وہ گوندھنا چاہتا تھا لیکن سپہر شکوہ گوندھنے نہ دیتا تھا۔ چٹائی کے برابر بان کا پلنگ بچھا ہوا تھا۔ اس پر دری پڑی تھی اور تکیہ رکھا تھا اور صحن میں آسمان کے آنسو ٹپک رہے تھے۔ پانی برس رہا تھا۔ پھر پشت کے کمروں میں قدموں کی چاپ ہوئی۔ سپہر شکوہ نے ہاتھ کی رکابی پتیلی پر رکھی اور اچھل کر دارا کے پہلو سے لگ کر دوزانو بیٹھ گیا۔ وہ

لوگ اندر آ چکے تھے۔ ان کے کپڑے دارا کی سیہ بختی سے زیادہ سیاہ تھے۔ پگڑیوں کے سیاہ شملے ان کے چہروں کو چھپائے ہوئے تھے اور جلادوں کی سی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ تعداد میں سات تھے اور خوفناک بھوتوں کی طرح دارا کو گھیر چکے تھے۔ پھر نذر بیگ نے سپہر شکوہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ دارا جو اُن کی خونی آنکھوں میں اپنے قتل کا منصوبہ پڑھ چکا تھا تڑپ کر بولا...... کیا ہے؟...... اور تم اس سے کیا چاہتے ہو؟"

"شہنشاہ کا حکم ہے کہ اس کو آپ سے جدا کر دیا جائے۔ (یعنی یہ آپ کے ذبح ہونے کا منظر نہ دیکھ سکے۔)

"اپنے شہنشاہ سے کہو کہ ہماری سلطنت میں سے یہی ایک لڑکا ہمارے پاس رہ گیا ہے اس کو ہم سے جدا نہ کریں۔"

"ہم کسی کے نوکر نہیں ہیں جو پیغامات لے جاتے پھریں۔"

نذر بیگ نے بڑی ترشی سے کہا اور سپہر شکوہ کا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔ سپہر شکوہ نے دونوں ہاتھ دارا کی کمر میں ڈال دیئے اور بڑی زور سے چیخ ماری۔ جس کے درد سے خواص پور کا تاریخی محل کانپ اٹھا۔ کمزور مغموم دارا نے معاملہ ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو بھاری بدن کے باوجود پھرتی سے اٹھا لیکن اتنی دیر میں سپہر شکوہ کو دو آدمی اٹھا کر کمرے میں گھس چکے تھے اور ان کے بند منہ سے گھٹی گھٹی سی آوازیں آ رہی تھیں۔ دارا نے چیتے کی طرح جھپٹ کر پلنگ سے تکیہ اٹھایا اور ترکاری کاٹنے والی چھری نوچ لی جو بُرے وقت میں کام آنے کے لئے چھپا رکھی تھی لیکن اس کے بائیں پہلو پر تلوار کا وار ہو چکا تھا۔ اس نے لپک کر بشر خاں پر کند چھری سے ایسا کاری حملہ کیا کہ چھری ہڈیوں میں پیوست ہو گئی اور دارا کی کوشش کے باوجود نکالی نہ جا سکی۔ چھری سینے میں پیوست چھوڑ کر دارا نے گھونسوں اور لاتوں سے حملہ کر دیا لیکن پیشہ ور قاتلوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی نذر بیگ نے ذبح کر دیا۔ نذر بیگ اپنی وفاداری کا خونیں پروانہ لے کر لال قلعہ پہنچا۔

اسی وقت سر کو صاف کر کے سونے کے طشت میں رکھ کر اورنگ زیب کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اورنگ زیب نے حقارت سے نگاہ ڈالی۔ بائیں ابرو کے پاس زخم کے نشان کو دیکھ کر اطمینان کیا اور نفرت سے بولا "...... بدبخت...... ہم نے تو زندگی ہی میں تجھ پر نگاہ نہ کی اب تجھے کیا دیکھیں گے۔"

لاہوری دروازے پر دھڑ لٹکا دیا گیا اور چاندنی چوک کے چوراہے پر سر آویزاں کر دیا گیا۔ تین دن کے بعد دارا کی میت کو غسل و کفن دیئے بغیر، نماز جنازہ ادا کئے بغیر ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کر دیا گیا۔ اسی مقبرہ کے سائے میں دو سو برس بعد عالمگیر کا ایک جانشین۔ ایک پوتا...... بہادر شاہ ظفر امان کی بھیک مانگنے آیا۔ اسی مقبرہ کی فصیلوں کے نیچے دودمان عالمگیر کے چشم و چراغ مرزا مغل، مرزا قریش سلطان اور مرزا ابو بخت کو سمندر پار سے آئے ہوئے ایک ''نذر بیگ۔'' نے بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ قتل کیا۔

اس مقبرہ کی گود میں صرف ایک ایسا شہنشاہ آرام فرما نہیں ہے جس کی اولاد نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک سنہری جلد کا اضافہ کیا بلکہ وہ داراشکوہ بھی سو رہا ہے جو ایک ''تہذیب''، ایک ''تمدن''، ایک ''کلچر'' کو زندہ کرنے اٹھا تھا لیکن تقدیر نے اس کے ہاتھ سے قلم چھین لیا اور تاریخ نے اس کے اوراق پر سیاہی پھیر دی۔

